من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدّین۔(الحدیث)

کتبِ فقہ و اصولِ فقہ کی تدریس کا طریقہ

اور

تذکرۂ اکابر

بیان

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم العالی

صدر و رئیس دارالافتاء جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

تخریج و عناوین

محمد زعفران ہزاروی

مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

ناشر: جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بیان

کتبِ فقہ واصولِ فقہ کی تدریس کا طریقہ

اور

تذکرۂ اکابر

الموسوم بہ ''تدریب المعلّمین''

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم العالی

مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

مقامِ بیان

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

ناشر

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

ضروری تفصیل

نام کتاب : کتبِ فقہ واصولِ فقہ کی تدریس کا طریقہ وتذکرۂ اکابر

افادات : حضرت مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم العالی

ضبط(ریکارڈ) : جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

کمپوزنگ : محمد زعفران ہزاروی

تخریج وعناوین : محمد زعفران ہزاروی

ڈیزائینگ : محمد زعفران ہزاروی

صفحات : ۷۵

نظرِ ثانی : حضرت مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم العالی

تاریخ اشاعت : ۲۲/شوال المکرم ۱۴۴۱ھ

ناشر : جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

حرفِ آغاز

دینی مدارس اور جامعات میں درسِ نظامی کی جو اہمیت و افادیت ہے وہ کسی سے مخفی و پوشیدہ نہیں، کامیاب مدرس وہی کہلاتا ہے جو ان کتب کو کماحقہ پڑھائے اور طلبہ کرام کو صحیح سمجھا سکے۔ اس تدریس کے نتیجے میں جو فضلاء تیار ہوں وہ ٹھوس اور مستحکم استعداد کے مالک ہوں اور زیادہ مؤثر اور وسیع دینی خدمات انجام دے سکیں۔

درسِ نظامی کی کتب کیسے پڑھائیں؟ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور نے ۲۰۱۰ء میں ''تدریب المعلّمین'' کے عنوان پر ایک اہم تقریب کا انعقاد کیا۔ جس میں ملک بھر کی اہم علمی شخصیات جو شعبہ تدریس سے وابستہ تھیں، مدعو کیا۔ استاذ مکرم مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم العالی نے بھی اس تقریب میں شرکت فرمائی اور ایک کامیاب و تجربہ کار مدرس و استاذ ہونے کی حیثیت سے جید علماء و مدرسین کی موجودگی میں 'کتبِ فقہ کی تدریس کا طریقہ'' کے موضوع پر عالیشان بیان فرمایا۔ جس کو سبھی حضرات نے پسند فرمایا۔ بعدازاں ادارہ نے شرکاء کے بیانات کو قلمبند فرمایا جو ''مجموعہ مقالات'' کے نام سے دو جلدوں میں

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔ ادارہ نے شرکاء کے بیانات کو ٹیپ ریکارڈر سے من و عن شائع کیا۔

حضرت الاستاذ مدظلہم العالی کا بیانِ ذیشان علمی، تحقیقی، نظریاتی، اصلاحی اور اکابر کے تذکرہ سے معطر تھا۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس پر مزید کام کیا جائے۔ بندہ نے حضرت الاستاذ کے حکم پر از سرِ نو اس پر کام کیا۔ نئے کام میں کمپوزنگ، تصحیح، عناوین، تخریج اور تزئین شامل ہے۔ تخریج میں حضرت الاستاذ صاحب مدظلہم سے بھی مراجعت اور استفادہ کرتا رہا۔ ان شاء اللہ تعالی یہ بیان طلبہ و مدرسین سبھی کے لیے مفید و معاون ثابت ہو گا۔ اللہ تعالی بندہ کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور حضرت الاستاذ صاحب مدظلہم العالی کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیم۔ فقط

محمد زعفران ہزاروی

مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۱۹ شوال المکرم ۱۴۴۱ھ

۱۱ جون ۲۰۲۰ء یوم الخمیس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہ واصولِ فقہ کی تدریس کا طریقہ

ألحمدلله نحمده و نستعينه ونستغفره و نؤمن به و نتوكّل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيّئات أعمالنا من يهده الله فلا مضلّ له و من يضلله فلاهاديه له و نشهد أن سيّدنا ومولانا و نبينا محمّدا عبده و رسوله صلّى الله عليه و على آله و أصحابه أجمعين أمابعدفأعوذبالله من الشّيطٰن الرّجيم بسم الله الرّحمٰن الرّحيم:فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ۔(التوبہ:۱۲۲)صدق الله العظيم۔

تمہیدی کلمات

بزرگانِ محترم معزز علماءِ کرام!اس وقت یہ اجتماع اور نشست بڑی اہم ہے۔میرے خیال میں ''تدریب المعلّمین'' کے عنوان سے پہلی مرتبہ یہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔واقعتًااس بات کی انتہائی ضرورت ہے کہ معلّمین اوراساتذہ کرام(جن کا طلبہ کی تربیت میں انتہائی اہم کردار ہوتا ہے)اگر ان کی تربیت صحیح طور پر کردی جائے،تو آئندہ آنے والے طلبہ یقیناً مثالی طلبہ شمار ہوں گے۔

دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

دارالعلوم الاسلامیہ[1] ہمارا ایک قدیم دینی ادارہ ہے، اس کے مدیر ہمارے مخدوم محترم مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ العالی اور شیخ القراء قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی قابلِ صد تحسین ہیں[2]، جنہوں نے اس ادارہ میں عظیم پروگرام کا اہتمام کیا۔ اس اجتماع کے مقاصد پر مجھ سے پہلے حضرت قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ واقعۃً ایسے پروگراموں کی بڑی ضرورت ہے، اس لیے کہ انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اسے خاص نہج پر سیکھنے اور اسے آگے پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

---

[1] جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور ۱۹۴۸ء شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (قائدِ تحریکِ پاکستان) کے ایماء پر قائم ہوا۔ ابتدائی زمانہ میں اس ادارہ کو قاری سراج احمد، قاری عبدالمالک، قاری عبدالعزیز شوقی، قاری افتخار احمد عثمانی، قاری اظہار احمد تھانوی رحمہم اللہ کی سرپرستی رہی ہے۔ اپریل ۱۹۸۳ء/جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ میں شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مخدوم العلماء حضرت مفتی عبیداللہ اشرفی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ادارے کا مہتمم بنایا۔ ۱۵/شعبان ۱۴۳۹ھ مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدینہ منورہ میں وفات ہو گئی۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت کے برادر مکرم مولانا قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ اس ادارہ کے مہتمم ہیں۔

[2] حضرت مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی، فقیہ العصر مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان ہیں۔ مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کا ترجمان مجلہ ''الحقانیہ، عارفِ ربانی نمبر'' محرم الحرام تا جمادی الاخری ۱۴۴۰ھ

اصولِ دین

یہ حقیقت تو سب پر واضح ہے کہ دین کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اجماعِ امت بھی بڑی اہمیت اور عظمت کا حامل ہے اور جو قیاس "مستنبط من هذه الأصول الثلاثة" ہے اس کا بھی اپنا ایک درجہ ہے۔[3]

حفاظتِ دین

اللہ تبارک و تعالی نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ اقدس میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت کو پیدا فرمایا۔ انہوں نے براہِ راست حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو حاصل کیا۔

بعثتِ نبوی کے مقاصد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن مجید نے وضاحت فرمائی ہے :

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ [4]

---

[3] اعلم أن أصول الشرع ثلثة الكتاب و السنة واجماع الأمة۔۔۔والأصل الرابع القياس اى الأصل الرابع بعدالثلثة للأحكام الشرعية هوالقياس المستنبط من هذه الأصول الثلثة۔(نورالأنوار،تقسيم اصول الشرع،۷،مكتبہ رحمانيہ،لاهور)

[4] البقرہ : آیت نمبر ۱۲۹

ترجمہ : اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں کے ایک ایسے پیغمبر بھی مقرر کیجیئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کردیں ۔ (بیان القرآن)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں بنیادی مقصد کتاب و سنت کی تعلیم ہے ۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے قرآن و سنت کی تعلیم بھی حاصل کی اور آپ صلی اللہ علیہ سلم نے ان کا تزکیہ بھی فرمایا ۔ اور پھر اس عظیم جماعت سے دین کی حفاظت کا کام لیا گیا ۔[5] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس عظیم

---

[5] مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

''سردارِ دو عالم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو تین فرائضِ منصبی سپرد کیے گئے تھے ان کو آپ نے کس حد تک پورا فرمایا آپ کو ان کے پورا کرنے میں کہاں تک کامیابی ہوئی ؟ اس کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے تلاوتِ آیات کا یہ درجہ ہوگیا تھا کہ تقریباً پورے جزیرۃ العرب میں قرآن پڑھا جارہا تھا ، ہزاروں اس کے حافظ تھے سینکڑوں ایسے حضرات تھے جو روزانہ یا تیسرے روز پورا قرآن ختم کرتے تھے تعلیم کتاب و حکمت کا یہ مقام تھا ۔ ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانہ چند ملت بشست

دنیا کے سارے فلسفے قرآن کے سامنے ماند ہوچکے تھے ، تورات وانجیل کے تحریف شدہ صحائف افسانہ بن چکے تھے ، قرآنی اصول کو عزت و شرف کا معیار مانا جاتا تھا ۔ تزکیہ کا یہ عالم تھا کہ ساری بداخلاقیوں کے مرتکب افراد تہذیبِ اخلاق کے معلم بن گئے ۔ بداخلاقیوں کے مریض نہ صرف صحت یاب بلکہ کامیاب معالج اور مسیحا بن گئے ۔ جو رہزن تھے رہبر بن گئے ۔ غرض بت

جماعت میں چند ہستیاں ایسی تھیں جن کو اللہ تعالی نے ''تفقہ فی الدین''کی دولت سے نوازا اور انہیں بطورِ خاص فقہ میں بڑی عظیم مہارت عطا فرمائی۔ انہوں نے قرآن و سنت کو سمجھا اور ان میں خوب غور و خوض فرمایا۔ بعض واقعات سے واضح ہے کہ جہاں ضرورت پیش آئی انہوں نے قرآن و سنت کو سامنے رکھ کر اجتہاد بھی فرمایا۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ''یمن''کی طرف بھیجا تو ان سے پوچھا کہ تم وہاں کیا طریقہ اختیار کروگے اور کیسے فیصلے کروگے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر عرض کیا کہ میں قرآن پاک کو دیکھوں گا، پھر سنت کو اور اس کے بعد فرمایا ''أجتهد برأيي''یعنی اگر قرآن و سنت میں نہ ملا تو اجتہاد کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تائید و تحسین فرمائی اور اس پر اپنی مسرت کا اظہار فرمایا۔[6] اسی طرح اور بھی بعض مجتہدین اور فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کا علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''اعلام الموقعین''میں ذکر کیا ہے۔[7]

پرست لوگ ایثار وہمدردی کے مجسمے بن گئے، تند خوئی اور جنگ جوئی کی جگہ نرمی اور صلح جوئی نظر آنے لگی، چور اور ڈاکو لوگوں کے اموال کے محافظ بن گئے۔ (معارف القرآن، ۳۴۱/۱، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

[6] عن الحارث بن عمرو ابن أخي المغيرة بن شعبة عن أناس من أهل حمص من أصحاب معاذ بن جبل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أراد أن يبعث معاذا إلى اليمن قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟قال: أقضي بكتاب الله، قال: فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا في كتاب الله؟ قال: أجتهد رأيي ولا آلو فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره وقال: الحمد لله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله لما يرضي رسول الله۔ (سنن ابی داؤد،کتاب الأقضيه،باب اجتهاد الرأي في القضاء،رقم الحديث:۳۵۹۲)

[7] امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''الدين و الفقه والعلم انتشر فی الأمة عن أصحاب ابن مسعود وأصحاب زيد بن ثابت و أصحاب عبدالله بن عمر وأصحاب عبدالله بن عباس فعلم الناس عامته عن أصحاب هؤلاء الأربعة۔۔۔وأما عائشة رضی الله عنها فكانت مقدمة فی

''اعلام الموقعین'' کا صحیح تلفظ

''اعلام الموقعين'' ہے یا ''الموفقين'' ہے؟ یہ بھی ایک قابلِ تحقیق مسئلہ ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''قواعد فی علوم الحدیث'' مقدمہ ''اعلاء السنن'' کی تعلیقات میں اس لفظ کی خاص تحقیق فرمائی ہے اور بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔[8] اہلِ علم اس کی طرف مراجعت کریں اور اس کے لیے ''اعلاء السنن''[9] کا مقدمہ دیکھیں۔

العلم والفرائض و الأحكام و والحلال و الحرام وكان من الآخذين عنها الذين لا يكادون يتجاوزون قولها المتفقهين بها۔۔۔ الخ۔''(اعلام الموقعين عن رب العالمين،فصل:الأئمة الذين نشروا الدين والفقه،۲۵/۱،مكتبة القرآن و الحديث،پشاور)

دوسری جگہ ص ۲۱ پر لکھتے ہیں:

فصل:الصحابة سادة المفتين و العلماء وكما ان الصحابة سادة الأئمة وأئمتها و قادتهافهم سادات المفتين و العلماء۔

[8] حضرت شیخ ارقام فرماتے ہیں:

اضطربت ألسنة العلماء فى ضبط اسم هذا الكتاب فمنهم من يقوله :(إعلام الموقّعين) بكسر الهمزة كما سمعته من غيرواحد من شيوخى ومنهم العلامة راغب الطباخ والأمام الكوثرى رحمهما الله تعالى۔ومنهم شيخنا العلامة المحقق مصطفى الزرقا و شيخنا المؤلف حفظهما الله تعالى ،والمؤلف سلّمه الله تعالى يكتبه فى كل موضع من كتابه هذا:(إعلام الموقعين)بالهمزة تحت الألف و هوالذى أراه۔

وبعضهم يقوله:(أعلام الموقعين)بفتح الهمزة،وممن ذهب الى هذا الأستاذ العلامة الشيخ محمد محى الدين عبدالحميدفى الطبعة التى أعتنى باخراجهاوطُبعت بمطبعة السعادة بالقاهرة سنة ۱۳۷۴ھ فى أربعة أجزاء،فقدأثبت الهمزة فوق الألف فى كلامه لبيان اختتام كل جزء من الأجزاء الأربعة،وفى مفتتح فهرس كل جزء منها و فى ختام كل فهرس منها أيضا ممادلّ على أن ذلک مقصود له للأشارة الى هذا الظبط۔

وكتبتُ من قريب لأستاذنا العلامة الأفيق الدقيق الشيخ مصطفى الزرقا حفظه الله تعالى أستطلع رأيه فى تصويب أحدالوجهين أو أرجحهما فكتب الى سلمه الله وأطال بقاءه فى عافية وسرور بما يلى:

''لایوجد فیما أعلم دلیل یصلح للقطع بأن مؤلفہ رحمہ اللہ تعالی وضعہ ھکذا ۔فذکرہ أی ابن القیم کبارَ اھل الفتیا والقضاء من الصحابۃ والتابعین علی نطاق واسع: یوحی بالفتح جمعا(لِعَلَم)۔وکونہ أی الکتاب یتضمن کثیرا من الفقہ والتوجیہ والتأصیل الشرعی من رأیہ وفھمہ واجتھادہ:یوحی بالکسر،کأنما ھوخطاب للمتصدّین للفتوی والقضاء الموقعین عن اللہ فھو اعلام لھم۔ فتکون القضیۃ فی قضیۃ ترجیح لأحد الوجھین،استحساناباختلاف التقدیر لاقضیۃ خطأ و لاسواء لأن مدار الخطأ و الصواب فی أحدھما انما ھو معرفۃ ماوضع المؤلف واراد ۔وھذا لم یعرف۔''انتھی۔وھی کلمۃ فصل ھذا،وممایتصل بالمقام ان اسم الکتاب ''اعلام الموقعین عن رب العالمین''کما ھو معروف مستفیظ۔وأغرب قلم شیخ شیوخنا الأمام الکشمیری رحمہ اللہ تعالی فقال فی کتابہ العظیم ''فیض الباری بشرح صحیح البخاری''۲/۲۶۷۔وقد نقل فیہ عن کتاب ابن القیم ھذا ماصورتہ:''ومر علیہ ابن القیم فی ''أعلام الموقعین'' (والصحیح انہ أعلام الموقّین)۔انتھی(فیض الباری، کتاب الصلاۃ،باب وضع الیمنی علی الیسری،۲/۲۶۷،المطبعۃ الأسلامیۃ السعودیۃ،لاھور،باکستان،۱۳۹۹ھ۔من الناقل)وأثبتہ بفتح الھمزۃ و بلفظ (الموفّقین) بالفاء ثم القاف من التوفیق و ھو شیئ غریب یُعدّ من سبق القلم وتغییرالأسم العَلَم وھولیس بجائز الا بنصّ عن صاحبہ۔

وقدتابعہ علی ھذہ التسمیۃ الغریبۃ للکتاب تلمیذہ شیخنا العلامۃ الجلیل الشیخ محمد بدر عالم المیرتھی رحمہ اللہ تعالی فی تعلیقاتہ علی ''فیض الباری'' و ھی من املاءات الأمام الکشمیری أیضا،وذلک مواضع منھا(۲:۲۵۹ و ۳:۲۴۱)فأثبتہ ''أعلام الموفقین''وقدعلمت مافیہ فلاتھم فیہ۔(اعلاء السنن،مقدمۃ ''قواعد فی علوم الحدیث''،۱/۵۹ و ۶۰،ادارۃ القرآن والعلوم الأسلامیۃ،کراتشی)

[9] حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قابلِ فخر بھانجے عظیم محدث وفقیہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی تالیف لطیف ہے ،جس سے آپ کے پیشتر قریب ایک ہزار سال سے علمی دنیا خالی تھی ۔ علمِ حدیث میں اس صدی کا شاید سب سے بڑا کارنامہ ہے ۔ یہ کتاب علمِ حدیث وفقہ کا انمول خزانہ اور حدیث کا سب سے بڑا شاہکار ہے ۔ اس میں حدیث ،فقہ اور رجالِ حدیث پر محققانہ بحث کی گئی ہے ۔ یہ کتاب ادارۃ القرآن کراچی سے ۲۱ حصوں اور ۱۳ مجلدات میں شائع ہوئی ہے ۔ اعلاء السنن کی تالیف اور اس میں درج احادیث میں نظر سے قبل غیر مقلدین کو توشبہ تھا ہی ، مگر بعض حنفیوں کو بھی شبہ ہوگیا تھا کہ امام اعظم ابو حیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرآن و حدیث کے مطابق نہیں ۔ الحمدللہ اس کتاب کی تالیف سے یہ ظاہر ہوگیا کہ کوئی مسئلہ بھی قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ۔ فقہ حنفی کے ایک ایک جزئیہ کو حدیث سے مدلل کر دیا گیا ہے ۔ اعلاء السنن کی تالیف کی شکل میں فقہ حنفی کی ایسی نصرت کی گئی اور ایسا قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا گیا جس کی نظیر ماضی میں بھی مشکل سے ملے گی ۔ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے بقول ''اس کتاب کے ذریعہ جہانِ علم پہ عموماً اور فقہ حنفی پہ خصوصاً ایسا احسان عظیم کیا ہے کہ علماءِ احناف قیامت تک ان کے مرہونِ منت رہیں گے ۔''

بہر حال علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''اعلام الموقعین'' میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جو اپنے دور میں قرآن وسنت کے ماہر، فقہ کے امام اور فتاوی کے لیے مرجع تھے۔

اصولِ زندگی قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن وسنت میں قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ قرآن وسنت پر عمل پیرا ہوں، اب ظاہر ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام واقعات اور حوادث کا بیان قرآن پاک میں واضح طور پر تو نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ[10]

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام (دین کی) باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوشخبری سنانے والا ہے۔(بیان القرآن)

یعنی قرآن پاک میں ہر چیز کے اصول اجمال کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔[11] بعض چیزوں کے اصول حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور احادیثِ طیبہ میں آئے ہیں، جبکہ بعض چیزوں کی تفصیل بھی موجود ہے۔[12] لیکن ایسا نہیں ہے کہ قیامت تک کے ہر واقعہ کا حکم قرآن پاک میں آجائے۔ حضرات صحابہ کرام

---

[10] النحل:رقم الآیة ۸۹

[11] ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيء بيّن في هذه الآية المأمور به والمنهي عنه على سبيل الإجمال۔ (تفسیرالخازن،تحت الآیة المذکورة،۹۵/۳،دارالکتب العلمیة،بیروت،۱۴۱۵ھ)

[12] مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سامنے رکھتے ہوئے نئے وقائع، حوادث اور حالات کا استنباط فرمایا۔

''تفقہ'' اللہ تعالی کی نعمت ہے

اصل میں فقہ بڑا وسیع و عمیق اور بہترین علم ہے۔ اور ''تفقہ'' اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہے جس کو بھی وہ عطا فرمادیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من یرد اللہ بہ خیرا یفقھه فی الدین''۔[13]

(آیت) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اس میں کتاب یعنی قرآن کو ہر چیز کا بیان فرمایا گیا ہے، مراد اس سے دین کی سب چیزیں اور باتیں ہیں کیونکہ وحی و نبوت کا مقصد انہی چیزوں سے متعلق ہے۔ اس لیے معاشی فنون اور ان کے مسائل کو قرآن میں ڈھونڈھنا ہی غلط ہے، اگر کہیں کوئی ضمنی اشارہ آجائے تو وہ اس کے منافی نہیں۔ رہا یہ سوال کہ قرآن کریم میں دین کے بھی تو سب مسائل مذکور نہیں تو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کہنا کیسے درست ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اصول تو تمام مسائل کے موجود ہیں انہی کی روشنی میں احادیثِ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان مسائل کا بیان کرتی ہیں اور کچھ تفصیلات کو اجماع وقیاس شرعی کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احادیثِ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اجماع وقیاس سے جو مسائل نکلے ہیں وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے بیان کیے ہوئے ہیں۔ (معارف القرآن، ۳۸۶/۵، مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[13] عن حميد بن عبد الرحمن سمعت معاوية خطيبا يقول سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: «من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين وإنما أنا قاسم والله يعطي ولن تزال هذه الأمة قائمة على أمر الله لا يضرهم من خالفهم حتى يأتي أمر الله۔(صحيح البخارى،كتاب العلم،باب: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين،رقم الحديث:۷۱)

حضرت جریج کا واقعہ

حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ جریج نامی ایک بڑے عابد عبادت کر رہے تھے،اس دوران ان کی والدہ نے ان کو پکارا،انہوں نے جواب نہ دیا،چنانچہ ان کی والدہ نے ان کو بددعا دی،جس پر ان کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا کہ ایک بچے کے بارے میں ان پر تہمت لگا دی گئی، لیکن وہ بچہ جب ان کے پاس لایا گیا، تو انہوں نے پوچھا بتاؤ تمہارا والد کون ہے؟ ان کی کرامت تھی کہ بچے نے بول کر بتا دیا کہ اس کا والد کون ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ لوگ پہلے ان سے بہت متنفر ہوئے،کیونکہ لوگ اصل بات کی تحقیق نہیں کرتے،فرمانِ باری تعالی ''اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا ''[14] پر تو عمل ہے ہی نہیں،چنانچہ جب ان پر تہمت لگی تو لوگ ان پر برہم ہوئے حتی جس جگہ وہ عبادت کر رہے تھے اس کو بھی انہوں نے گرا دیا۔اب جب کرامت دیکھی تو کہنے لگے اب ہم آپ کی عبادت گاہ کو سونے کا بنا دیتے ہیں۔حضرت جریج نے فرمایا کہ بس اس کو ویسا ہی بنا دو جیسی کہ پہلے تھی،[15] بہرحال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو

---

[14] الحجرات:٦

[15] عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كان رجل في بني إسرائيل يقال له جريج يصلي فجاءته أمه فدعته فأبى أن يجيبها فقال: أجيبها أو أصلي ثم أتته فقالت: اللهم لا تمته حتى تريه وجوه المومسات وكان جريج في صومعته فقالت امرأة: لأفتنن جريجا فتعرضت له فكلمته فأبى فأتت راعيافأمكنته من نفسها فولدت غلاما فقالت: هو من جريج فأتوه وكسروا صومعته فأنزلوه وسبوه فتوضأ وصلى ثم أتى الغلام فقال: من أبوك يا غلام؟ قال: الراعي قالوا: نبني صومعتك من ذهب قال: لا إلا من طين۔(صحيح البخارى،كتاب المظالم والغصب،باب: إذا هدم حائطا فليبن مثله،رقم الحديث:٢٤٨٢)

آپ نے فرمایا ''لوكان فقيها لأجاب أمّه''[16] کہ جریج فقیہ ہوتے تو اپنی ماں کو جواب دیتے۔ یہ تفصیل اپنی جگہ ہے کہ نفل نماز کا کیا حکم ہے اور فرض کا کیا حکم ہے؟ کب جواب دینا چاہیے اور کب نہیں؟ اس بات کا تعلق بھی فقہ سے ہے۔[17]

بہرحال فقہ ایسا عظیم الشان علم ہے، اگر انسان کے سامنے فقہ کے اصول ہوں تو قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور حالات کے احکام کے بارے میں اس کو کوئی پریشانی پیش نہیں آسکتی۔ لیکن یاد رکھیے! ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ فقیہ بن جائے اور یہ دعوی کرنے لگے کہ میں فقیہ ہوں اور مجتہد ہو گیا

---

[16] لو كان جريج فقيها عالما لعلم أن إجابته دعاء أمه أولى من عبادة ربه عز وجل.رواه الحسن بن سفيان في مسنده والترمذي في النوادر وأبو نعيم في المعرفة والبيهقي في الشعب عن حوشب الفهري قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول فذكره وقال ابن مندة غريب تفرد به الحكم بن الريان عن الليث.ومن شواهده عن طلق بن علي مرفوعا لو أدركت والدي أو أحدهما وقد افتتحت صلاة العشاء ودعتني أمي يا محمد لأجبتها لبيك وفي لفظ عنده عن علي بن سيبان مرسلا لو دعاني والدي أو أحدهما وأنا في الصلاة لأجبته والحديث ضعيف.(كشف الخفاء ومزيل الألباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس،١٦٠/٢،رقم الحديث: ٢١١٠)

[17] اگر آدمی فرض نماز میں ہو تو والدین کے بلانے پر نماز نہ توڑے اِلّا یہ کہ وہ کسی ناگہانی آفت میں مبتلا ہو کر اس کو مدد کے لیے پکاریں (اس صورت میں والدین کی خصوصیت نہیں، بلکہ کسی کی بھی جان بچانے کے لیے نماز توڑنا ضروری ہے)، اور اگر نفل نماز میں ہو اور والدین کو اس کا علم ہو تو نہ توڑے، اور اگر ان کو علم نہ ہو تو نماز توڑ کر جواب دے۔

ويجب القطع لنحو إنجاء غريق أو حريق. ولو دعاه أحد أبويه في الفرض لا يجيبه إلا أن يستغيث به. وفي النفل إن علم أنه في الصلاة فدعاه لا يجيبه وإلا أجابه۔۔۔والحاصل أن المصلي متى سمع أحدا يستغيث وإن لم يقصده بالنداء أو كان أجنبيا وإن لم يعلم ما حل به أو علم وكان له قدرة على إغاثته وتخليصه وجب عليه إغاثته وقطع الصلاة فرضا كانت أو غيره۔۔۔فلا تجوز إجابته بخلاف ما إذا لم يعلم أنه في الصلاة فإنه يجيبه، لما علم في قصة جريج الراهب ودعاء أمه عليه۔(الدرمع الرد،كتاب الصلاة،باب ادراک الفريضة،٥٢/٢،دارالفكر،بيروت،١٤١٢ھ/١٩٩٢ء)

ہوں۔ آج کل یہ بھی مسئلہ ہے کہ ''اذا صلّی الحائک رکعتین وانتظر الوحی''[18] اللہ تعالی رحم فرمائیں کہ اب یہ عجیب مسئلہ چل پڑا ہے۔

علمِ ''فقہ'' کی ابتداء

فقہ کا یہ عظیم علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں شروع ہوا، پھر تابعین، تبع تابعین میں بھی بہت سے فقہاء کرام پیدا ہوئے۔ حضرت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی تابعین میں سے ہیں، ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ھ میں آپ کی وفات ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کی پیدائش ۱۵۰ ھ میں ہوئی۔ اس پر ایک لطیفہ بھی ہے کہ بعض احناف نے شوافع سے کہا کہ جب تک ہمارے امام زندہ رہے آپ کے امام نہیں آسکے تو وہ کہنے لگے جب ہمارے امام آگئے تو آپ کے امام چلے گئے۔

فقہاءِ کرام کی خدمات

میں نے عرض کیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے قرآن و سنت اور فقہ کی بہت خدمت کی اور بے شمار مسائل کا استنباط کیا۔ آپ کے علاوہ بھی بہت سے حضرات فقہاء امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ بہت سے ائمہ نے فقہ کی تدوین کے لیے بڑی خدمات سرانجام دیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

---

[18] جولاہا دو رکعت پڑھ کے وحی کا انتظار کرنے لگا۔

فقہ حنفی کی خصوصیت

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فقہ و فتاوی اور استنباطِ مسائل کے حوالے سے جو کام ہوا ہے وہ نہایت عظیم الشان اور بے مثال ہے ۔ فقہ حنفی واحد فقہ ہے جس میں یہ نظام ہے کہ بہت سے اہلِ علم علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے مسائل رکھے گئے، پھر ان کے بارے میں مشاورتیں ہوئیں اجلاس ہوئے ۔[19] ہمارے آج کل کے اجلاس تو عام طور پر نشستن، گفتن و برخواستن سے زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہوتے ۔ لیکن اُن مجالس میں لاکھوں مسائل کا استنباط کیا گیا ۔ علماء کی اس کمیٹی کے اندر ۱۲ لاکھ سے زائد مسائل کا استنباط ہوا ۔ یہ کمیٹی کا لفظ آپ کے سمجھانے کے لیے عرض کر دیا ۔ اس لفظ کے بغیر شاید آپ بات کو نہ سمجھ سکیں، یہ ہماری آج کل کی مجبوری ہے ۔

[19] روى الإمام أبو جعفر الشيراماذي عن شقيق البلخي أنه كان يقول: كان الإمام أبو حنيفة من أورع الناس و أعبد الناس وأكرم الناس وأكثرهم احتياطا في الدين وأبعدهم عن القول بالرأي في دين الله عز وجل وكان لا يضع مسألة في العلم حتى يجمع أصحابه عليها ويعقد عليها مجلسا فإذا اتفق أصحابه كلهم على موافقتها للشريعة قال لأبي يوسف أو غيره ضعها في الباب الفلاني. اهـ. كذا في الميزان للإمام الشعراني قدس سره. و نقل ط عن مسند الخوارزمي أن الإمام اجتمع معه ألف من أصحابه أجلهم وأفضلهم أربعون قد بلغوا حد الاجتهاد فقربهم وأدناهم وقال لهم: إنى ألجمت هذا الفقه وأسرجته لكم فأعينوني فإن الناس قد جعلوني جسرا على النار فإن المنتهى لغيري واللعب على ظهري فكان إذا وقعت واقعة شاورهم وناظرهم وحاورهم و سألهم فيسمع ما عندهم من الأخبار والآثار ويقول ما عنده ويناظرهم شهرا أو أكثر حتى يستقر آخر الأقوال فيثبته أبو يوسف حتى أثبت الأصول على هذا المنهاج شورى لا أنه تفرد بذلك كغيره من الأئمة. (الدرالمختار، مقدمة،۱/۶۷،دارالفکر،بیروت،۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)

مخاطَب کے مزاج کے مطابق بات کرنی چاہیے

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ[20] فرمایا کرتے تھے کہ لوگ ہمارے پاس سوال کرنے کے لیے آتے ہیں تو اردو سے زیادہ انگریزی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ میں تو ان کی بات سمجھتا ہی نہیں کہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟ ان کا مقصد کیا ہے؟ جب اردو میں بات ہو رہی ہے تو اردو بولیں، اور اگر آپ انگریزی میں بات کرنا چاہ رہے ہیں تو ٹھیک ہے انگریزی میں بات کریں۔ لیکن جب آپ

---

[20] مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اصلی وطن قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (یوپی) انڈیا ہے۔ اور سلسلہ نسب خلیفہ ثانی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ ۱۰/شوال المکرم ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم کی تعلیم سہارنپور میں حاصل کی۔ ۱۳۳۲ھ میں مدرسہ امدادالعلوم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں فارسی کتب اور میزان الصرف سے ہدایۃ النحو تک پڑھیں۔ ۲۰/ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۲ھ کو مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی۔ حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دورہ حدیث شریف کی تمام کتب میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر کئی کتابیں اور ایک گھڑی عنایت فرمائی۔ ہندوستان کے مختلف مدارس خصوصا مظاہر علوم سہارنپور اور امدادالعلوم خانقاہ امدادیہ میں ہزاروں افراد آپ کے فیضِ علمی سے مستفید ہوتے رہے۔ ۱۳۴۴ھ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی ربیبہ سے آپ کی شادی ہوئی۔ جس سے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں میں سب سے بڑے حضرت عارف باللہ مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۷۰ھ میں ہندوستان سے پاکستان منتقل ہوئے۔ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں تدریسی اور فقہی خدمات کے لیے مقرر ہوئے۔ ساری زندگی حضرت حکیم الامت کے مسلک و مشرب پر سختی سے عمل پیرا رہے اور ساری زندگی اسلام کی خدمت سرانجام دیتے ہوئے ۲۱/رجب المرجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۵/دسمبر ۱۹۹۴ء خالقِ حقیقی سے جاملے۔

اردو میں بات کر رہے ہیں اور میں بھی اردو میں بات کر رہا ہوں تو پھر کم از کم اردو تو بولیں، اس میں بھی آپ نے انگریزی اور دوسری زبانوں کے الفاظ ٹھونس دیے، یہ کیا بات ہوئی؟

امام اعظم رحمہ اللہ کی فقہی شوریٰ

بہر حال فقہاء کی اس لجنہ میں (جس کو آج کل کمیٹی کہا جاتا ہے) کیسے کیسے حضرات شامل تھے؟ امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر رحمہم اللہ جیسے حضرات جن میں ایک ایک اپنے وقت کا عظیم فقیہ ہے، بلکہ حضرات فقہاء کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ بھی مجتہد ہیں۔ مجتہد سے میری مراد مقید (مجتہد فی المذہب) نہیں، بلکہ ان حضرات کو مجتہد مطلق شمار کیا گیا ہے۔ لیکن ان حضرات نے اپنے استاذ محترم کی عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کیا، اس لیے یہ حضرات مجتہد منتسب

کہلاتے ہیں،[21] مجتہد منتسب اس کو کہا جاتا ہے جو اپنے علم اور اپنے مقام کے اعتبار سے مجتہد (مطلق) ہو لیکن کسی دوسرے مجتہد کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرلے۔[22]

امام محمد رحمہ اللہ تعالی کا کارنامہ

امام محمد رحمہ اللہ نے امام صاحب کے مذہب کو اس انداز سے مدوّن اور مرتّب کیا کہ ان کو محرّرِ مذہبِ ابوحنیفہ کہا جانے لگا۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے نو سو ننانوے (۹۹۹) کتابیں تصنیف فرمائیں[23] کما فی

---

[21] بحرالعلوم علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: فالحق ان یقال انهما مجتهدان مستقلان وقدبلغا مرتبة الأجتهاد المطلق الا أنهما لحسن تعظيمها لأستاذهما وفرط اجلالهما له أصّلا اصله وتوجها الى نقل مذهبه وانتسبا اليه ۔(مقدمة عمدة الرعاية،حاشية شرح الوقاية،۹/۱،میرمحمدکتب خانہ،کراتشی)

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی ،علامہ لکھنوی کی مذکورہ عبارت نقل کرکے تحریر فرماتے ہیں: فكأنه جعلهما من المجتهدين المنتسبين دون المجتهدين فى المذهب۔(اصول الأفتاء وادابه للشيخ محمد تقى العثمانى،طبقات الفقهاء،۹۲،مكتبة معارف القرآن كراتشى، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

[22] مجتہد منتسب کو فقہاءِ کرام نے مستقل قِسم شمار کیا ہے اور اس کی تعریف اور مصداق میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں۔ وان ''المجتهد المنتسب'' قسم مستقل من الفقهاء لم يذكره ابن كمال باشا رحمه الله تعالى وذكره كثيرون ممن ذكروا طبقات الفقهاء ولكنهم اختلفوا فى مصداقه على ثلاثة اقوال:

أحدها ماذكره الشيخ اللكنوى رحمه الله تعالى من أن المجتهد المنتسب مجتهدمطلق فى الحقيقة ولايقلد احدا لافى الفروع ولافى الأصول ولكنه ينسب نفسه الى استاذه اجلالا له وتعظيما۔والثانى ماذكره الأمام النووى عن ابن الصلاح رحمهماالله تعالى من ان المجتهد المنتسب مجتهدمطلق ولكنه ينسب الى المجتهد المستقل لسلوكه طريقه فى الأجتهاد۔۔۔والثالث ماذكره الشيخ عبدالوهاب الشعرانى رحمه الله تعالى حيث قال :وجميع من ادعى الأجتهاد المطلق (يعنى فى العصورالمتأخرة عن الأئمة المتبوعين) انما مراده المطلق المنتسب الذى لايخرج عن قواعدامامه۔(اصول الافتاء وآدابه للشيخ محمدتقى العثمانى،طبقات الفقهاء،۹۲ ، ۹۸)

مقدمۃ الدر المختار[24] للعلامۃ علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالی ۔ جن میں مشہور چھ کتابیں ہیں[25] جو کہ فقہ حنفی میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اب ماشاء اللہ یہ کتابیں شائع بھی ہو گئی ہیں ۔

---

[23] الفقه زرعه عبد الله بن مسعود رضي الله عنه وسقاه علقمة وحصده إبراهيم النخعي وداسه حمادوطحنه أبو حنيفة وعجنه أبو يوسف وخبزه محمد فسائر الناس يأكلون من خبزه وقد نظم بعضهم فقال:

الفقه زرع ابن مسعود وعلقمة ... حصاده ثم إبراهيم دواس

نعمان طاحنه يعقوب عاجنه ... محمد خابز والآكل الناس

وقد ظهر علمه بتصانيفه كالجامعين والمبسوط والزيادات والنوادر حتى قيل إنه صنف في العلوم الدينية تسعمائة وتسعة وتسعين كتابا.(الدرالمختار ،مقدمة،۱/۵۰،دارالفکر،بیروت،۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)

[24] شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمرتاشی الحنفی الغزی (۹۳۹ھ - ۱۰۰۴ھ) کی تصنیف "تنویرالأبصار وجامع البحار" کی شرح "الدرالمختار" ہے ۔ اسے مختصرًا "التنویر" بھی کہتے ہیں ۔ اس کا شمار فقہ حنفی کے متون میں ہوتا ہے ۔ اس متن کی مختلف شروحات لکھی گئی ہیں ۔ خود مصنف علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ نے بھی "منح الغفار" کے نام سے شرح لکھی ہے ۔ سب سے مشہور اور مقبولِ عام شرح مفتی شام علامہ علاؤ الدین محمد بن علی المعروف "الحصکفی" (۱۰۲۵ھ - ۱۰۸۸ھ) کی تحریر کردہ ہے ۔ جس کا نام "الدرالمختار" ہے ۔ انہوں نے پہلے ایک طویل شرح لکھنی شروع کی ، جس کا نام "خزائن الأسرار وبدائع الأفکار" رکھا ۔ پھر طوالت کے خوف سے اس کا اختصار "الدرالمختار" کے نام سے کیا ۔ یہ ترکیب کے لحاظ سے "مرکبِ توصیفی" ہے ۔ اس کو "درالمختار" پڑھنا غلط ہے ۔ یا تو دونوں کو معرف باللام پڑھا جائے "الدرالمختار" یا دونوں کو منکّر "درّمختار" پڑھا جائے ، دوسری صورت میں یہ فارسی ترکیب کے لحاظ سے درست ہو گا ۔

[25] کتابوں کے نام یہ ہیں ۔ الجامع الصغیر ، الجامع الکبیر ، السیر الکبیر ، السیر الصغیر ، الزیادات ، المبسوط ۔ ان کتابوں کو "ظاہر الروایہ" اور "اصول" بھی کہتے ہیں ۔ ظاہر الروایہ کا مطلب ہے ایسی روایت جس سے ہر کوئی واقف ہو کیونکہ ان کو امام محمد رحمہ اللہ سے بہت سے تلامذہ روایت کرتے ہیں اور ان کے مسائل درجہ شہرت تک پہنچے ہوئے ہیں ۔ اصول اصل کی جمع ہے ، جس کے معنی ہیں "جڑ، بنیاد" ۔ امام

عجیب واقعہ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی[26] رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''السیر الکبیر'' یا غالبا ''بسوط'' کے بارے میں یہ واقعہ بیان فرمایا کہ اس کتاب کا نسخہ اونٹ پر لاد کر خلیفہ کے دربار میں لایا جا رہا

محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ چھ کتابیں فقہ حنفی کی بنیاد ہیں اس لیے ان کو اصول اور اصولِ ستہ بھی کہتے ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چھ کتب کو اشعار میں جمع کیا ہے۔ ؎

وكتب ظاهر الرواية أتت ... ستا لكل ثابت عنهم حوت
صنفها محمد ن الشيباني ... حرر فيها المذهب النعماني
الجامع الصغير والكبير ... والسير الكبير والصغير
ثم الزيادات مع المبسوط ... تواترت بالسند المضبوط

(ردالمحتار، مقدمة، ۱/۵۰، دارالفکر، بیروت)

[26] شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث، جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبہ متکلم، رفیع الشان فقیہ، بہترین مقرر، اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز اور بلند پایہ سیاستدان تھے۔ آپ ۱۰/محرم الحرام ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو ضلع بجنور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دورہ حدیث شریف کیا۔ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں پرنسپل اور صدر مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ آپ کے تلامذہ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع دیوبندی، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، قاری محمد طیب رحمہم اللہ جیسے مشاہیر علم شامل ہیں۔ حضرت عثمانی کئی کتب کے مصنف ہیں۔ جن میں تفسیرِ عثمانی اور مسلم شریف کی شرح فتح الملہم آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ تحریکِ پاکستان کے سرگرم رکن بلکہ قائد رہے ہیں۔ ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو دیوبند سے افتتاح پاکستان کی تقریب میں حصہ لینے کے لیے کراچی تشریف لائے اور قائداعظم کی درخواست پر اپنے دست مبارک سے پاکستانی پرچم لہرایا۔ ۱۳/دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ کی وفات ہوئی، مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

تھا، راستے میں کوئی عیسائی ملا، اس نے پوچھا یہ کیا ہے ؟ بتایا گیا کہ یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالی کی کتاب کا مسوّدہ ہے جوانہوں نے تصنیف کی ہے، اس کو ہم خلیفہ کے دربار میں پیش کررہے ہیں تاکہ ان کو پتہ چلے کہ یہ ان کے دور میں اتنے بڑے عالم ہیں۔ ہمارے یہاں کے وزراء اور صدور کے سامنے کوئی کتاب پیش کی جائے، مثلا ''اعلاء السنن'' یا کوئی اورکتاب ان کے پاس لے کے چلے جائیں تو شاید نام کا تلفظ بھی باربار دہرانا پڑے گا، کیونکہ وفاق المدارس کے آخری درجے کی سند ''الشھادۃ العالمیۃ'' جب سینٹ میں پیش کی گئی تو اس وقت کے وزیر تعلیم اس کو ''الشھادۃ الالمیۃ'' پڑھ رہے تھے، اور یہ تلفظ بھی انھوں نے کئی تکلفات اور بڑی محنت کے بعد گویا آخری درجے میں کیا، اس سے پہلے وہ کوئی اور لفظ کہتے رہے۔ نوائے وقت کے ''سر راہے'' نے اس پر بہت اچھا لکھا کہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ پاکستان کے وزیر تعلیم کو عربی کا ایک لفظ بھی صحیح پڑھنا نہیں آتا۔

توجب بسوط کا وہ مسوّدہ خلیفہ وقت کے پاس لے جایا جارہا تھا، اس عیسائی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ امام محمد کی کتاب ہے، تو اس نے جواب میں کہا ''هذا محمدكم الأصغر'' یہ تو تمہارے چھوٹے محمد کا حال ہے ''فكيف محمدكم الأكبر'' تو تمہارے بڑے محمد کا کیا حال ہوگا؟ (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارك وسلّم تسلیما کثیرًا کثیرًا) اس پر اس نے کلمہ پڑھا اور وہ مسلمان ہوگیا۔[27]

---

[27] فی بلوغ الأمانی فی سیرۃ الأمام محمد بن الحسن الشیبانی: فأكبر ماوصل الینا من كتب محمد وهو كتاب الأصل المعروف بالمبسوط وهوالذی یقال ان الشافعی كان حفظه وألّف ''الأم'' علی محاكاة ''الأصل''
وأسلم حكيم من أهل الكتاب بسبب مطالعة المبسوط هذا قائلا: هذا كتاب محمدكم الأصغر فكيف كتاب محمدكم الأكبر؟۔(
كتاب الأصل المعروف بالمبسوط للشيبانی، مقدمة المصحح، ۱/۷، طبع بيروت)

علم کا پیاسا سیر نہیں ہوتا

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آیا فرماتے ہیں ''ان صناعتنا هذه من المهد الى اللحد'' کہ اس علم کا معاملہ ختم نہیں ہوا یہ مسلسل ارتقاء پذیر ہے۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالی کا فقہی ذوق

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت قریب تھا، اس وقت ایک مسئلہ پر بحث ہو گئی کہ حج میں رمی راکبا ہوگی یا راجلا؟ افضل طریقہ کیا ہے؟ اس پر گفتگو ہوئی، آخری گفتگو کر کے ایک صاحب باہر نکلے ابھی دہلیز پر نہیں پہنچے تھے کہ امام صاحب کا انتقال ہو گیا۔[28]

تو دیکھ لیجیے! ان حضرات نے کتنے لاکھ مسائل کا استنباط فرمایا، اور فقہ تو ایک بہت گہرا علم ہے۔ کسی بھی ایک علم پر اگر انسان صحیح طور پر محنت کر لیتا ہے تو وہ علم بھی اس کو تمام علوم کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔

---

[28] وحكي عن إبراهيم الجراح قال دخلت على أبي يوسف رحمه الله تعالى في مرضه الذي مات فيه ففتح عينيه وقال: الرمي راكبا أفضل أم ماشيا؟ فقلت: ماشيا فقال: أخطأت فقلت: راكبا فقال: أخطأت ثم قال: كل رمي كان بعده وقوف فالرمي فيه ماشيا أفضل وما ليس بعده وقوف فالرمي راكبا أفضل فقمت من عنده فما انتهيت إلى باب الدار حتى سمعت الصراخ لموته فتعجبت من حرصه على العلم في مثل تلك الحالة. (المبسوط، كتاب المناسك،٢٣/٤، دارالمعرفة، بيروت، ١٤١٤ھ/١٩٩٣ء)

امام محمد اور امام کسائی رحمہما اللہ کے مابین مکالمہ

صاحب البحر علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''البحر الرائق''[29] میں یہ واقعہ بیان فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خالہ زاد بھائی حضرت امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ (جو قاری بھی ہیں اور بہت بڑے نحوی بھی) کو دیکھا کہ ان کا زیادہ تر نحو میں اشتغال ہے۔ تو فرمانے لگے ''لِم لاتشتغل بالفقه'' یعنی فقہ میں آپ مشغول کیوں نہیں ہوتے؟ فقہ پر کام کرو، اس کو پڑھو اور پڑھاؤ۔ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا ''من أحكم علما فذاك يهديه الى سائر العلوم'' کہ آدمی ایک علم میں مضبوط ہو جائے تو وہ ایک ہی علم اس کو تمام علوم کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کا بہت بڑا دعویٰ تھا، اور دوسری طرف بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے، فرمانے لگے میں آپ کا امتحان لیتا ہوں، ایک شخص پر نماز میں سجدہ واجب ہو گیا، اس کے بعد وہ شخص نماز میں پھر بھول گیا، تو اس شخص کے ذمے نماز کے آخر میں ایک سجدہ ہو گا یا کئی سجدے ہوں گے؟ اس پر امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ ایک سجدہ ہو گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا یہ بتاؤ کہ تم نے نحو کے کون سے قاعدے اور ضابطے سے یہ جواب دیا ہے؟ تو امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بلا تأمل یہ فرمایا

---

[29] درسِ نظامی میں شامل فقہ کی کتاب ''كنزالدقائق'' کی عربی شرح ہے۔ مشہور حنفی عالم علامہ زین الدین ابراہیم بن نجیم مصری (المتوفّٰی: ۹۷۰ھ) کی تالیف ہے۔ ''البحرالرائق'' نحوی ترکیب کے لحاظ سے موصوف صفت ہیں۔ جس کے معنی ہیں: ''صاف سمندر'' یہ آٹھ جلدوں میں ہے۔ ''كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة'' تک علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ شرح لکھنے پائے تھے کہ قدرت کی طرف سے بلاوہ آگیا اور آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی وفات کے بعد محمد بن حسین طوری نے تکمیل کی۔ آٹھویں جلد تکملہ ہے۔

کہ ''ألمصغّر لا یصغّر'' ایک دفعہ جب کسی اسم کی تصغیر ہو جائے تو دوبارہ نہیں ہوتی۔[30] یہ قاعدہ تو ہم نے بھی پڑھا ہے لیکن پڑھنے پڑھنے میں فرق ہے۔

ہدایہ کیسے پڑھیں؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ[31] نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں جا رہا تھا، راستے میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ[32] سے ملاقات ہو گئی،[33] حضرت نے بلا لیا اور فرمایا کیا پڑھتے

---

[30] حكي أن محمد بن الحسن قال للكسائي ابن خالته فلم لا تشتغل بالفقه فقال من أحكم علما فذلك يهديه إلى سائر العلوم فقال محمد رحمه الله أنا ألقي عليك شيئا من مسائل الفقه فتخرج جوابه من النحو فقال هات قال فما تقول فيمن سها في سجود السهو فتفكر ساعة فقال لا سجود عليه فقال من أي باب من النحو خرجت هذا الجواب فقال من باب أن المصغر لا يصغر فتحير من فطنته۔(البحرالرائق شرح كنزالدقائق، كتاب الصلاة،محل سجودالسهو،۱۰۰/۲،دارالكتاب الأسلامی)

واجتمع الكسائي ومحمد بن الحسن الشيباني صاحب الإمام أبي حنيفة رضي الله تعالى عنهما فقال الكسائي: من تبحر في علم النحو اهتدى إلى سائر العلوم فقال له محمد: ما تقول فيمن سها في سجود السهو هل يسجد مرة أخرى. قال: لا قال: لم ذا؟ قال: لأن النحاة يقولون: المصغر لا يصغرقال محمد: فما تقول في تعليق العتق بالملك؟ قال: لا يصح قال: لم؟ قال: لأن السيل لا يسبق المطر.وتعلم الكسائي النحو على كبر سنه وسببه أنه مشى يوماً حتى أعيا فجلس وقال: عييت فقيل له: لحنت قال كيف؟ قيل: إن كنت أردت التعب فقل أعييت وإن كنت أردت انقطاع الحيلة فقل: عييت بغير همز. فأنف من قولهم: لحنت واشتغل بالنحو حتى مهر وصار إمام وقته. وكان يؤدب الأمين والمأمون وصارت له اليد العظمى والوجاهة التامة عند الرشيد وولديه.وتوفي محمد بن الحسن والكسائي في يوم واحد سنة سبع وثمانين ومائة ودفنا في مكان واحد فقال الرشيد: هاهنا دفن العلم والأدب.(سمط النجوم العوالی فی أنباء العوائل والتوالی للعصامی،ترجمة خلافة هارون الرشيد،۲۰۱/۲)

یہ واقعہ درج ذیل کتب میں بھی ہے:

بدائع الصنائع،فصل بيان سبب وجوب سجود السهو،۱۶۵/۱،دارالكتب العلمية،بيروت،۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

المبسوط للسرخسی،باب سجودالسهو،۲۲۴/۱،دارالمعرفة،بيروت،۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

حاشية الطحطاوی علی المراقی،كتاب الصلاة،باب سجودالسهو،۴۶۰،قديمی كتب خانه،كراتشی

[31] آپ کا اسمِ گرامی اشرف علی ہے اور لقب حکیم الامت۔ آپ ۵/ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۹/ ستمبر ۱۸۶۳ء بروز بدھ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ددھیال سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے اور ننھیال سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کو بچپن سے ہی عبادات وطاعات کا خاص ذوق تھا۔ بچپن میں ہی نوافل، تہجد اور ذکر کے عادی ہو گئے تھے۔ ابتدائی زندگی سے ہی آپ کو حصولِ علم کا شوق تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں تقریباً پانچ سال زیر تعلیم رہے۔ صرف ۱۹ یا ۲۰ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کی دستاربندی قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے دست مبارک سے ہوئی۔ آپ کو اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ حضرت تھانوی سینکڑوں کتب کے مصنف ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر اپنے وطن تھانہ بھون میں حضرت حاجی صاحب کے نام نامی سے منسوب کر کے ''خانقاہ امدادیہ'' قائم کی اور اپنے شیخ کو مطلع فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے جواباً تحریر فرمایا:

''بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ امید ہے خلائق کثیر کو آپ سے فائدہ ظاہری وباطنی ہوگا۔ اور آپ ہمارے مدرسہ ومسجد کو ازسر نو آباد کریں گے۔ میں ہر وقت آپ کے لیے دعا کرتا ہوں۔''

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی پیشین گوئی کے مطابق آپ کی طرف خلقِ خدا کا رجوع اس کثرت سے ہوا کہ آپ پورے برصغیر کے لیے مرجع الخلائق بن گئے، جہاں آپ لوگوں کی اصلاح وتزکیہ میں مشغول رہے اور آپ نے تصنیف وتالیف میں زہد واتقاء کے ساتھ عمر بسر کردی۔ آپ کے مریدین و معتقدین میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالباری ندوی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مفتی محمد حسن امرتسری، اور ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہم اللہ جیسے ممتاز اور جید علماء شامل ہیں۔ آپ کی وفات ۱۷/ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''اشرف السوانح''

[32] حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مولد اور وطن عزیز قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ ہے۔ آپ بچپن سے ہی ذہین اور محنتی

ہیں؟ حضرت فرماتے ہیں میں نے جواب میں عرض کیا، میں ہدایہ پڑھتا ہوں۔ اس پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب ایک ہے ہدایہ کا پڑھنا اور ایک ہے ہدایہ کا گُننا۔ پڑھنے اور گُننے میں فرق ہے۔

اس پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک جگہ دعوت تھی اور دعوت میں بڑے علماء کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس دعوت میں اہلِ علم جمع تھے۔ کسی صاحب نے سوال کیا اور مسئلہ پوچھا۔ ایک عالم نے اس کا جواب دیا۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ جی اس کا حوالہ کہاں ہے؟ وہ عالم فرمانے لگے کہ ہدایہ میں ہے۔ وہاں پر ایک اور بڑے عالم تھے لیکن نابینا تھے، ہدایہ ان کو زبانی یاد تھی، وہ فرمانے لگے کہ یہ

تھے۔ چھوٹی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔ قصبہ دیوبند میں فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا مملوک علی صاحب رحمہ اللہ کے ہمراہ ۱۲۶۰ھ میں دہلی پہنچے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی رحمہ اللہ سے علومِ حدیث کی تکمیل کی۔ اس کے بعد کتابت کا کام شروع کیا اور درس و تدریس بھی کی۔ شیخ المشائخ حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سلوک و تصوف کے منازل طے کرنے کے بعد خلعتِ خلافت سے نوازے گئے۔ آپ حددرجہ منکسر المزاج تھے۔ شہرت سے گریزاں، بڑائی سے نفور اور ریا سے کوسوں دور تھے۔ خود مسئلہ کبھی نہ بتاتے بلکہ کسی کے حوالے سے بیان فرماتے۔ علم و عمل اور زہد وتقویٰ کے پہاڑ تھے۔ بہت بڑے مناظر، جفاکش اور اور مجاہد تھے۔ باطل فرقوں خصوصًا پادریوں سے بہت مناظرے کیے اور ہمیشہ کامیاب رہے۔ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں تقریر دلپذیر، تحذیرالناس، آبِ حیات، انتصارالاسلام، تصفیۃ العقائد، اجوبہ اربعین، مباحثہ شاہ جہانپور وغیرہ شامل ہیں۔ دارالعلوم دیوبند آپ کا زندہ و جاوید کارنامہ ہے اور صدقہ جاریہ ہے جو ان شاء اللہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ علم و عمل کا یہ آفتاب ۴/جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ بروز جمعرات ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

[33] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۹۵ھ میں ہوا ہے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہے، تو یہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے کچھ پہلے کا واقعہ ہوگا۔ منہ

ہدایہ میں نہیں ہے۔ اب بینا اور نابینا میں تعارض ہوگیا۔ وہ عالم فرمانے لگے ہدایہ لے آؤ، میں حوالہ دکھا دیتا ہوں۔ ہدایہ لائی گئی تو ان عالم نے ہدایہ کی ایک عبارت پڑھی اور اس کی ایک قید سے یہ بتا دیا کہ مسئلہ یوں ہے۔ اب نابینا عالم رونے لگے اور فرمایا کہ اصل میں ہدایہ تو انہوں نے پڑھی، ہماری تو ساری زندگی ضائع ہو گئی۔

اس کو کہتے ہیں گُننا، نہ یہ کہ سرسری طور پر تو ساری کتاب سے گزر جائے لیکن سمجھ کر نہ پڑھا جائے۔ ہمارے طلباء کا زیادہ تر عمل اسی پر ہے کہ ''ان فی العبور لبرکۃ'' کہ عبور میں بھی برکت ہے۔ بس عبور اور مرور ہی ہو جائے تو کافی ہے، بھائی یہ کوئی میدانِ عرفات تو نہیں ہے کہ مرور ہو گیا تو حج ہو گیا۔ صرف پڑھنا مقصود تو نہیں سمجھ کر پڑھنا مقصود ہے۔

حضرت تھانوی کی فقہی شوری

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا یہ واقعہ سنایا کہ حکومتِ برطانیہ نے ایک مرتبہ منصوبہ بنایا کہ تمام مسلم اوقاف کو حکومت کی تحویل اور کنٹرول میں لیا جائے۔ اس کے خلاف تحریک چلی، حکومت نے بھی کچھ مسودات جاری کیے، جن کا جواب فقہی اعتبار سے تیار کرنا تھا۔ اس کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کا ایک اجتماع کیا اور ان کی ایک کمیٹی تشکیل دی، اس کو کمیٹی کہہ لیں یا لجنہ کہہ لیں، جو بھی کہیں بہر حال مقصد تو ایک ہی ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

اوری بسعدی والرباب وانما　　انت الذی تعنی وانت المؤمل
عباراتنا شتّی و حسنک واحد　　وکل الی ذاک الجمال یشیر

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ[34] اور میرے جدِ امجد حضرت مفتی عبدالکریم صاحب ترمذی گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ[35] کے ذمے لگایا کہ آپ فقہی عبارات دیکھیں اور

---

[34] حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ خاندانی اعتبار سے عثمانی تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے والد ماجد دارالعلوم دیوبند میں فارسی کے مدرس تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے دینی ماحول میں آنکھ کھولی اور بچپن سے ہی جلیل القدر علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل رہا۔ پانچ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی۔ فارسی کی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی عزیزالرحمن عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا اعزاز علی اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ جیسے جبالِ علم شامل ہیں۔ فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ایک عرصہ تک درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کا کام کیا۔ ابتداءً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت حکیم الامت سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ قیامِ پاکستان کے بعد دیوبند سے کراچی ہجرت کی۔ اور پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ، دینی تعلیم کے فروغ، قراردادِ مقاصد کی ترتیب و تدوین اور ان کی منظوری میں حضرت مفتی صاحب کا بڑا حصہ ہے۔ ۱۳۷۰ھ میں کراچی نانک واڑہ میں ایک مدرسہ اسلامیہ قائم کیا۔ چند ماہ کے بعد یہ مدرسہ ''دارالعلوم'' بن گیا۔ اور آج اس کا شمار پاکستان بلکہ دنیا کی ممتاز دینی درسگاہوں میں ہوتا ہے۔ مفتی صاحب نے کئی کتب بھی تصنیف فرمائیں جن میں قرآن پاک کی عظیم الشان تفسیر ''معارف القرآن'' بلاشبہ آپ کا زبردست کارنامہ ہے۔ ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں شمسی اعتبار سے تقریباً ۸۲ سال کی عمر گزار کر جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

[35] حضرت مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کا خاندان حسب و نسب کے اعتبار سے ایک قابلِ احترام اور عظمتوں کا حامل خاندان تھا۔ نسبی طور پر آپ خاندانِ سادات سے منسلک تھے۔ مشہور یہی ہے کہ ''تغلق شاہ'' کے دور میں ''ترمذ'' سے سادات کا جو قافلہ ہجرت کر کے ہندوستان آیا تھا، اس میں آپ کے آباؤ اجداد بھی تھے اور ترمذ میں سکونت کی وجہ سے ہی ترمذی لکھتے تھے۔ آپ کے جدامجد حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب ترمذی رحمہ اللہ مشرقی پنجاب کے ضلع کرنال کے ایک قصبہ

جمع کریں، پھر حکومت کے اس مسودے کا جواب لکھا جائے گا۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ

''گمتھلہ گڈھو'' میں سب سے پہلے آپ نے سکونت اختیار کی۔ اور اسی وجہ سے بعد میں آپ کا خاندان گمتھلہ کی طرف منسوب ہوا۔ حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے استاذ مکرم حضرت مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مد ظلہم کے جدِ امجد اور فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کے والد ماجد ہیں۔ ۵/محرم الحرام ۱۳۱۵ھ مطابق ۷/جون ۱۸۹۷ء ضلع کرنال (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا اپنے قصبہ میں ہی پیرجی محمد اسحاق صاحب وغیرہ سے سیکھا۔ علومِ دینیہ کی باقاعدہ تحصیل کے لیے مظاہر علوم سہارن پور داخلہ لیا۔ درسِ نظامی کا کچھ حصہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرت مولانا انوارالحق امروہی اور مولانا سید احمد حسن سنبھلی رحمہما اللہ وغیرہ حضرات سے پڑھا۔ وقتاً فوقتاً علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ ۱۳۳۹ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے سند فراغ حاصل کی۔ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد مدرسہ عبدالرب دہلی میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ کر صحیح مسلم اور جامع ترمذی یہ دو کتب دوبارہ پڑھیں۔ ۱۳۴۳ھ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون اپنے مربی و مرشد حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی سرپرستی و نگرانی میں درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور افتاء کی خدمات میں مشغول ہوئے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو خصوصی تعلق اور محبت تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے حد درجہ شفقت کا معاملہ فرماتے۔ اسی محبت اور تعلق کا نتیجہ ہے کہ حضرت تھانوی نے آپ کو اپنے خاص حلقہ مجازینِ صحبت میں بھی شامل فرمایا۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ آپ کو خط میں تحریر فرمایا: ''واللہ میں آپ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں۔'' آپ مایہ ناز محقق عالم و مفتی ہونے کے ساتھ بہترین مناظر اور متکلم بھی تھے۔ چنانچہ قادیانیت وغیرہ فرقِ ضالہ کے خلاف آپ کے کامیاب مناظرے بھی ہوئے۔ آپ کی تصنیفات میں حیلہ ناجزہ، تجدد اللمعۃ فی تعدد الجمعۃ، القول الرفیع فی الذب عن الشفیع، تتمہ امداد الاحکام، افادۃ العوام ترجمہ خطبات الاحکام للتھانوی وغیرہ شامل ہیں۔ ۹/رجب المرجب ۱۳۶۸ھ مطابق ۸/مئی ۱۹۴۹ء ساہیوال ضلع سرگودھا میں بزم اشرف کا یہ چراغ گُل ہوگیا۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تذکرۃ الکریم (مؤلفہ استاذیم مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مد ظلہم العالی)، ماہنامہ ''الحقانیہ'' کا خصوصی نمبر ''تذکرہ حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہ'' شعبان ۱۴۲۸ھ

علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ذمے ''البحر الرائق'' لگائی گئی جو علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ہے۔ باقی کتابیں دوسرے حضرات دیکھ رہے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں سے دیکھ کر کچھ عبارتیں لکھیں، پھر کسی کام سے باہر گیا، واپس آیا تو البحر الرائق کے جو صفحات میں دیکھ چکا تھا انہی صفحات میں سے مزید کچھ عبارتیں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب تحریر فرما چکے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بہت سی عبارتیں انہی صفحات کی لکھی ہوئی تھیں جن کو میں دیکھ چکا تھا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب احقر کے جد امجد سے کہنے لگے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، میں یہ کام نہیں کرتا، میں نے ان صفحات میں سے جتنی عبارتیں لکھیں، میرا اپنا خیال تھا کہ ہمارے مقصد کی بس یہی عبارتیں ہیں۔ لیکن آپ کی ان عبارتوں کو دیکھ کر اب یہ معلوم ہوا کہ بہت سی عبارتیں ایسی تھیں جو ہمارے مقصد کی تھیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آئیں، اس لیے میں اس کام کا اہل نہیں ہوں، میں یہ کام نہیں کرتا۔ اس پر حضرت دادا جان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب ایسا نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب اس وقت مظاہرِ علوم سہارنپور میں پڑھاتے تھے اور شیخ الادب تھے۔ دادا جان فرمانے لگے کہ آپ اس شعبہ کے آدمی بھی نہیں ہیں اس کے باوجود آپ نے جتنی عبارتیں نقل کی ہیں وہ سب کی سب مفید طلب ہیں۔ ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ غیر مفید عبارتیں نقل کر دیتے جیسا کہ آج کل عام طور پر نقل میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ کی سب کی سب عبارتیں مدعٰی پر دال ہیں اور آپ نے صحیح انتخاب کیا ہے۔ اس لیے آپ کو گھبرانا نہیں چاہیے یہ کام تو ظاہر ہے کہ عرصہ دراز تک کرنے کے بعد انسان کی سمجھ میں آتا ہے۔

اس پر حضرت دادا جان فرمانے لگے کہ آپ پریشان نہ ہوں مجھے یہاں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں فتوے کا کام کرتے ہوئے ۱۵ سال ہو گئے ہیں، اور جب سوالات آتے ہیں تو ہم ان کے جوابات کے لیے

فقہی کتابوں میں عبارتیں تلاش کرتے ہیں لیکن جواب نہیں ملتا، بالآخر ہم حضرت تھانوی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ حضرت اس مسئلے کا کوئی جزئیہ نہیں مل رہا تو حضرت کا ایک ہی جواب ہوتا کہ لاؤ ''ہدایہ''۔ ہم عرض کرتے کہ حضرت ''ہدایہ'' تو ہم نے دیکھ لی ہے۔ حضرت فرماتے کہ میں جو کہہ رہا ہوں کہ ''ہدایہ'' لے کر آؤ، ہدایہ لے کر آئے تو حضرت ''ہدایہ'' کی عبارت کی کسی قید سے یہ بتا دیتے کہ اس قید سے یہ مسئلہ نکل رہا ہے، تم کہہ رہے ہو کہ ہدایہ میں نہیں ہے۔ پھر ہماری سمجھ میں بھی آیا کہ یہ ہدایہ کے اندر تو لکھا ہوا ہے۔[36]

ہدایہ کے مدرِّس کی علامت

احقر کے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک دور تھا کہ ہدایہ پڑھانے والے کے گھر پر جھنڈا لگتا تھا جو اس بات کی علامت تھا کہ یہ بڑا عالم ہے جو ہدایہ پڑھا سکتا ہے اور اس کو حل کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں اب تو سب کے مکانات پر جھنڈے ہونے چاہییں۔ میں نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ ہدایہ کا اصل نام کیا ہے ؟ یہ کون سی کتاب سے ماخوذ ہے؟ تو بے چارہ کبھی کچھ بتاتا کبھی کچھ۔ خیر جب سے علامہ عبدالحیَ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایہ پر حاشیہ لکھا ہے اس وقت سے تقریباً ہم سب مرور اور عبور تو کروا ہی رہے ہیں۔

کتاب ''ہدایہ'' کا تعارف

صاحبِ ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے آدمی تھے، انہوں نے ۱۳ سال کی مدت میں یہ کتاب لکھی ہے۔ اصل میں یہ کتاب ''كفاية المنتهى'' کا اختصار ہے جو قاہرہ کے کتب خانہ میں اسی

---

[36] مجلہ ''الحقانیہ'' مفتی عبدالکریم نمبر، مکارمِ خمسہ، ۱۵۳، ۱۴۲۸ھ

جلدوں میں موجود ہے۔[37] پھر اس کا خلاصہ صاحبِ ہدایہ نے ۱۳سال کی مدت میں لکھا، ہدایہ بڑی زبردست اور عظیم کتاب ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ عظیم الشان ہے ،جس کی تدوین کے لیے علماء کے اجلاس بلائے گئے، مشورے کیے گئے، پھر مسائل کا استنباط ہوا، ایسا ہی معاملہ ہدایہ کا ہے کہ فقہ حنفی میں جتنی کتابیں ہیں ان سب میں ہدایہ سب سے عظیم کتاب ہےاور یہ صرف فقہ حنفی کی خصوصیت ہے۔ دیگر فقہاء کے ہاں بھی جوفقہ کی کتابیں ہیں ان میں ہدایہ جیسی کوئی کتاب نہیں۔

[37] صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ میں ایک رسالہ ''بداية المبتدی'' کے نام سے تحریر فرمایا۔ پھر اس کی مفصل شرح ۸۰ جلدوں میں ''كفاية المنتهی'' کے نام سے لکھی۔ اس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور ہدایہ اسی ''كفاية المنتهی'' کا اختصار ہے۔ (ماہنامہ ''الحق'' ص ۳۶، جمادی الاولی ۱۴۰۱ھ/مارچ ۱۹۸۱ء، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

تذکرہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ[38]

---

[38] حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ مسعود نردری رحمۃ اللہ علیہ کشمیری سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد معظم شاہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم ربانی، زاہد و عابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر ومرشد تھے۔ آپ ۲۷/شوال المکرم ۱۲۹۲ھ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا، اور چھ برس کی عمر تک قرآن پاک کے علاوہ متعدد فارسی رسائل بھی پڑھ لیے۔ ۱۳۰۵ ھ میں کشمیر سے ہزارہ گئے اور تین سال ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہ کر علومِ عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے۔ ۱۳۰۸ھ میں ہزارہ سے ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں آپ نے چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت علماء سے فیوضِ علمیہ و عملیہ و باطنیہ کا بدرجہ اتم استفادہ کیا۔ اور بیس اکیس سال کی عمر میں ۱۳۱۲ھ میں نمایا شہرت وعزت کے ساتھ سندِ فراغ حاصل کی۔ مدرسہ امینیہ، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں ایک عرصہ تک درس و تدریس سے منسلک رہے۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے علمی و عملی کمالات میں سے جو چیز آپ کو اقران و اعیان میں سب سے زیادہ ممتاز کرتی تھی، وہ آپ کی جامعیت و تبحرِ علمی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''میرے نزدیک حقانیتِ اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل مولانا محمد انور شاہ کشمیری کا امتِ مسلمہ میں وجود ہے۔ اگر دینِ اسلام میں کسی بھی قسم کی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دینِ اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔'' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''حضرت شاہ صاحب کے حافظہ کا عالم یہ تھا جو ایک مرتبہ دیکھ لیا اور جو ایک مرتبہ سن لیا وہ وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا۔ گویا اپنے زمانہ کے امام زہریؒ تھے۔'' آپ کی تصنیفات میں ''خاتم النبیین، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسی علیہ السلام، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب کے علاوہ افادات میں فیض الباری اور انوار الباری وغیرہ شامل ہیں۔ ۲/صفر ۱۳۵۲ھ کو تقریبا ساٹھ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی وفات پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک جلسہ میں فرمایا: مجھ سے اگر شام و مصر کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین بن دقیق العید اور شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام کو دیکھا؟ تو میں یہ کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۵۲ھ میں فوت ہوئے، اب ان کی وفات پر ایک کم اسی (۷۹) سال ہو گئے ہیں۔[39] ان کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اگرچہ فیہ مافیہ اس شعر میں اشکال بھی ہے اور حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ردّ بھی فرمایا ہے لیکن یہ الگ بحث ہے۔ علامہ قبال نے یہ شعر کب کہا؟ کس کے لیے کہا؟ یہ بات وہ لوگ نہیں بتاتے کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو "مما یعلم و یکتم" کی قبیل سے ہے۔

حضرت کشمیری کا حافظہ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے جو حافظہ عطا فرمایا تھا، اس کے بارے میں صحیح معنی میں کہا جاتا تھا کہ یہ شخص چلتا پھرتا کتب خانہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں ایک لاکھ کے قریب کتابیں تھیں۔ میں نے بھی الحمد للہ دیوبند کے کتب خانہ کی زیارت کی ہے، اور آج کل یہ کمپیوٹر بھی ماشاء اللہ مفید ہے لیکن اگر وائرس آگیا تو سب ڈیٹا ختم ہو جاتا ہے پھر پریشانی بھی بہت ہوتی ہے کہ اتنی محنت کی تھی وہ ساری

ہے۔ وگرنہ شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب و مجاہدات تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہوتے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر، شیخ تقی الدین اور شیخ عزیزالدین کا آج انتقال ہوا ہے۔

[39] اور اب تقریبا نوے سال ہو چکے ہیں۔

ضائع ہو گئی۔ اللہ تعالی نے حضرت کشمیری رحمہ اللہ کو ایسا حافظہ عطا فرمایا تھا کہ سب کتابیں اسی میں محفوظ تھیں۔ فرماتے تھے کہ جب میں کوئی کتاب سرسری طور پر دیکھتا ہوں، تو وہ کتاب میرے حافظہ سے ۱۵ سال تک غائب نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ طلبہ کے سامنے فتح القدیر کی ایک بہت تفصیلی عبارت پڑھی پھر فرمانے لگے ،جاہلین (یہ حضرت کا تکیہ کلام تھا کہ آپ طلبہ کو جاہلین فرمایا کرتے تھے) تم کیا سمجھتے ہو کہ میں یہ عبارت ابھی دیکھ کر آیا ہوں؟ میں نے برسہا برس پہلے فتح القدیر میں یہ عبارت پڑھی تھی، اسی وقت کی پڑھی ہوئی عبارت پیش کررہاہوں۔ بلاشبہ اللہ تعالی نے آپ کو بڑا علم اور بڑا حافظہ عطا فرمایا تھا۔

تذکرہ حضرت جرجانی و زمخشری

ایک موقع پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جو مقولہ مشہور ہے:

لم يفهم القرآن الا الأعرجان أحدهما من زمحشريٰ والآخر من جرجان

یعنی قرآن پاک کو صرف دو لنگڑوں نے سمجھا ہے علامہ زمخشری اور علامہ جرجانی (عبدالقاہر جرجانی اور جاراللہ زمخشری) یہ زمخشری مسجد کے پڑوس میں رہتے تھے اس لیے جاراللہ مشہور ہو گئے۔ یہ دونوں شخص حنفی المسلک اور معتزلی الاعتقاد ہیں اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ دونوں لنگڑے ہیں، لیکن اللہ تعالی نے علم اتنا عطا فرمایا تھا کہ بلاغت کے امام کہلاتے تھے۔ تو علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

و اناثالثهما من فضل الله من هندوستان

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کتنے ہی بلاغت کے ایسے ابواب ہیں جن کی علامہ عبدالقاہر جرجانی کو ہوا تک بھی نہیں لگی، خیر یہ بات تو علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماسکتے تھے۔

حضرت کشمیری بحیثیتِ مصنف

حضرت کشمیری کی تحریر بڑی علمی اور ٹھوس ہوتی تھی۔ حضرت نے ایک کتاب لکھ کر حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کے سامنے پیش کی اور عرض کیا کہ حضرت! میں نے یہ کتاب لکھی ہے آپ اس کی تصدیق فرما دیں، حضرت سہارنپوری نے پڑھنے کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب ''کچھ ایسا تو لکھتے کہ علماء سمجھتے''۔ یہ علم تھا ان حضرات کا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ ان کی تقریر بھی دلپذیر۔ ''تقریر دلپذیر'' حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب کا نام بھی ہے۔ جیسے وہ کتاب مشکل تھی ایسے ہی حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بھی اتنی ہی مشکل تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ سترہ سال بعد مجھے ایسے طالب علم ملے ہیں جو میری بات کو سمجھتے ہیں، اب تو یہ دور آگیا کہ طالب علم کہتے ہیں کہ استاذ جی میری بات سمجھیں۔

علامہ اقبال بڑے ذہین آدمی تھے، علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے، علامہ اقبال میری بات کو سمجھتا ہے اور بہت سے اہلِ علم میری بات کو نہیں سمجھتے۔

حضرت کشمیریؒ علامہ عثمانیؒ کی نظر میں

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لم ترالعیون مثله و لم یر هو مثل نفسه و لو کان فی سالف الزمان لکان له شان فی طبقة أهل العلم عظیم۔

یہ وہ شخص تھا کہ ''لم تراالعیون مثله'' آنکھوں نے اس جیسا نہیں دیکھا، ''ولم یرھومثل نفسه''خودوہ بھی توباوجودوسیع النظرہونے کے اپنے جیسا کسی کو نہ دیکھ سکے۔ اسی لیے حضرت علامہ شبیراحمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تعزیتی اجلاس میں فرمایا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے سوال کرے کیا تم نے ابن دقیق العید، ابن حجر عسقلانی، امام الحرمین اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کر کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سب کو دیکھا ہے۔ اس لیے کہ میری آنکھ نے علامہ انورشاہ کشمیری کو دیکھا ہے۔ فرمایا کرتے تھے تم کس لیے رو رہے ہو؟ تمہارے لیے تو ہم ان شاء اللہ کافی ہیں، مسئلہ تو ہمارا ہے ہماری مشکلات اب کون حل کرے گا؟

''ہدایہ''اور''گلستان''

حضرت علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم، فاضل ہونے کے باوجود فرماتے تھے کہ میں جس موضوع پر چاہوں کتاب لکھ سکتا ہوں، لیکن دو کتابیں میں نہیں لکھ سکتا۔ ایک ''گلستانِ سعدی'' جوفارسی کی کتاب ہے۔ اس لیے کہ سعدی کا فصاحت وبلاغت میں جو اچھوتا انداز ہے اور ان کے کلام میں جو روانی، تسلسل اور سلاست ہے، میں اس تک نہیں پہنچ سکتا، اس لیے میں ایسی کتاب نہیں لکھ سکتا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی فرمایا تھا:

گل ہمیں پنج روز شش باشد — ویں گلستان ہمیشہ خوش باشد[40]

---

[40] گلستان، مقدمہ، ۱۹، مکتبۃ البشریٰ کراچی، ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء

کہ پھول تو پانچ چھ دن ہی تروتازہ رہتے ہیں، اور ہمارا باغ یعنی 'گلستانِ سعدی'' ہمیشہ تروتازہ رہے گا۔ واقعی زبردست کتاب لکھ گئے ہیں، دوسری کتاب کا فرمایا کہ ''ہدایہ'' ہے۔ میں ''ہدایہ'' جیسی کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اب تو لوگ ایسی ایسی کتابیں لکھ رہے ہیں کہ ماشاءاللہ کیا کہنے۔

تذکرہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کشمیری کے معاصرین بھی کیسے کیسے گزرے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے عالم اور کیسے ذہین تھے۔ اللہ تعالی نے ان کو کتنا علم عطا فرمایا تھا اور کیسی کیسی صلاحیتیں ان میں ودیعت فرما دی تھیں، تحریر کے بھی امام تھے اور تقریر کے بھی امام، اللہ تعالی نے تکلم کا بھی عجیب انداز عطا فرمایا تھا اور تحریر کا بھی۔

اقبال مرحوم اور پٹواری کا واقعہ

علامہ اقبال مرحوم کے پاس ایک صاحب حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں نے قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے، آپ ذرا اسے دیکھ لیجیے۔ اقبال نے پوچھا آپ کیا کرتے ہیں؟ مشغلہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں ایک محکمہ میں پٹواری تھا اور وہاں سے ریٹائرڈ ہو گیا ہوں تو میں نے کہا کہ میں قرآن پاک کی خدمت کروں Study کروں۔ بہت سے لوگ قرآن پاک کی سٹڈی کرتے ہیں، ہم مطالعہ کر رہے ہیں، قرآن پاک کی سٹڈی ہو رہی ہے۔ اس نے کہا میں نے یہ تفسیر لکھی ہے۔ (میرے خیال میں اس تفسیر کا نام تو تفسیر بے نظیر ہی بہتر رہے گا کیونکہ سٹڈی تو وہ بھی کر رہی تھیں، جیسے کہ پاکستان کے ایک سابق صدر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ قرآن پاک کا

مطالعہ فرما رہے ہیں، ان کا مطالعہ پورا نہیں ہوا تھا کہ وہ دنیا سے رحلت فرما گئے، ورنہ ایک اور تفسیر امت کے سامنے آجاتی) اور آپ بڑے فلسفی ہیں اور آپ نے پی ایچ ڈی فلسفہ میں کیا ہے۔ آپ حکیم ہیں، دانا بھی ہیں، شاعر مشرق بھی ہیں۔ آپ اس تفسیر کو دیکھ لیں تو میرے لیے باعثِ عزت ہوگا۔ علامہ اقبال نے کہا ٹھیک ہے، آپ رکھ دیں، مطالعہ کرکے بتاؤں گا کہ آپ نے کیا لکھا ہے۔ اور مہینہ بعد آجانا۔ وہ صاحب ایک مہینہ بعد آگئے۔ اقبال مرحوم نے کہا، بھائی آپ کی تفسیر پڑھ کر مجھے بہت فائدہ ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر علامہ اقبال کو بڑا فائدہ ہوا تو پھر میں نے بڑا کام سرانجام دیا۔ کہنے لگا: جی سر آپ کو کیا فائدہ ہوا؟ اقبال نے کہا، اس تفسیر کے دیکھنے سے میرا ایک بڑا مغالطہ دور ہوگیا۔ وہ یہ کہ میں سمجھتا تھا سب سے زیادہ مظلوم حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ اب آپ کی تفسیر پڑھنے سے یہ مغالطہ دور ہوا اور مجھے اس تفسیر پڑھنے سے پتہ چلا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مظلوم نہیں ہیں، قرآن کریم سب سے زیادہ مظلوم ہے۔ اس لیے کہ جو احمق، ریٹائرڈ اٹھتا ہے وہ قرآن کریم کی تفسیر لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ[41] نے کیا خوب فرمایا؎

---

[41] حضرت خواجہ صاحب حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دلعزیز خلیفہ تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۶/شعبان المعظم ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۲/جون ۱۸۸۴ء ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے ''اشرف السوانح'' میں اپنے حالات خود بھی لکھے ہیں، تفصیلی حالات وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (اشرف السوانح، حصہ چہارم، ترجمۃ المؤلف، ۵۳۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۷ھ) حضرت خواجہ صاحب لکھتے ہیں: الحمدللہ سب سے بڑا اشرف جو احقر کو بفضلہ تعالی حاصل ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اشرف المخلوقات علیہ الوف الصلوات والتحیات جیسے اشرف الرسل کی امتِ مسلمہ میں ہوں اور حضرت اشرف الزمن جیسے اشرف المشائخ کے ارادتمندوں میں ہوں۔ بقول احقر؎

ہے احد معبود اپنا اور نبی خیر الوری　　　شیخ بھی ہے قطبِ دوراں میں تو اس قابل نہ تھا

کرے ہر گز نہ مسٹر جرأتِ تفسیرِ قرآنی　　　زبانِ یارِ من عربی و تو عربی نمی دانی

کسرِ نفسی

میرے ذمہ یہ عنوان لگایا گیا تھا کہ میں آپ کو بتاؤں کہ فقہ پڑھانے کا کیا طریقہ ہے؟ یہاں تو سب علماء کرام تشریف فرما ہیں، میں کیا طریقہ بتاؤں؟ یہ تو وہی معاملہ ہوا کہ ایک نام نہاد مولوی صاحب کہیں جا کر پھنس گئے۔ محرم الحرام کے ایام تھے وہاں کے حضرات نے ان سے مطالبہ کیا کہ حضرت آپ بہت بڑے عالم ہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موضوع پر تقریر کریں، ان کو سٹیج پر بٹھا دیا گیا تو انہوں نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کے میدان میں شہید کر دیا گیا؟ سب کہنے لگے کہ پتہ ہے۔ فرمانے لگے کہ جاؤ جب پتہ ہے پھر مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو؟ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم کوئی حیلہ کرتے ہیں، آئندہ روز پھر ایسا ہی ہوا کہ جب انہوں نے پوچھا کہ تم کو پتہ ہے؟ تو آگے بیٹھنے والے حضرات کہنے لگے جی پتہ ہے، اور جو لوگ کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے وہ کہنے لگے کہ نہیں پتہ، تو وہ مولوی صاحب کہنے لگے کہ جن کو پتہ ہے وہ دوسروں کو بتا دیں جنہیں نہیں پتہ۔

قطعہ ؎

کیا میرے گناہوں کا اللہ ٹھکانہ ہے　　　اور ہائے غضب اک دن منہ تجھ کو دکھانا ہے

کر رحم کہ نسبت ہے سرکارِ دوعالم سے　　　اور اس سے میں بیعت ہوں جو قطبِ زمانہ ہے

بہر حال چونکہ بڑوں کا حکم ہے اور ألأمر فوق الأدب کے تحت اس سے چھٹکارا نہیں ۔ ایسے حضرات کی موجودگی میں جو اپنے اساتذہ ، اکابر اور شیوخ ہوں ، لب کشائی کی جائے بہت مشکل ہے ۔ لیکن ہم نے جو کچھ اپنے بڑوں سے سنا یا پڑھا اور ان کی خدمت میں رہ کر جو استفادہ کیا وہ عرض کر دیتا ہوں ۔ اللہ تعالی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سب کے لیے نافع بنائیں ، آمین ۔ اس بارے میں احقر کے خیال میں سب سے بنیادی چیز طلباء کی نفسیات کو سمجھنا ہے ۔

کتبِ فقہ کی تدریس کا طریقہ

تدریس کے متعلق میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ابتداءً طالب علم کو زیادہ تفصیلات میں نہ الجھایا جائے ، جیسا کہ نورالأیضاح یا کنز الدقائق ہے ۔ طالب علم کو نفسِ کتاب کا مطلب اور معنی بتانا چاہیے ۔ دراصل یہ ہمارا بہت بڑا المیہ ہے کہ طلباء کی استعدادیں اتنی کمزور ہوگئ ہیں کہ ان کو عبارت تک پڑھنا نہیں آتی ، یہ بہت نقصان دہ بات ہے ۔

طلباء عبارت پر محنت کریں

طلباء کو عبارت بالکل صحیح آنی چاہیے ، اساتذہ کرام اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں ۔ ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ[42] عبارت پر بہت گرفت فرماتے تھے ۔ طلباء عبارت پڑھنے میں ہمزہ قطعی اور وصلی کا بالکل خیال نہیں رکھتے ، ساری عبارت کو وصل کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں ۔ ترکیب کا تو طلباء کو بالکل پتہ

---

[42] فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

ہی نہیں ہوتا۔ ایک صاحب ''ذهب الله ''کی ترکیب کر رہے تھے کہ ''ذھب '' مضاف اور لفظِ ''اللہ '' مضاف الیہ۔ ذھب اللہ کی یہ ترکیب سن کے میں حیران رہ گیا۔ شاید آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے لیکن یہ کوئی زیادہ حیرت والی بات نہیں کیونکہ ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں۔

قواعد کے ذریعے عبارت کی تشریح

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اگر آپ ہر بات اور فصل کے شروع میں طلباء کے ذہن میں کوئی ضابطہ اور قاعدہ ڈال دیں ،جس پر تمام جزئیات منطبق ہو سکیں تو یہ بہتر رہے گا۔ اس کے لیے ظاہر ہے کہ استاذ کو محنت کرنی ہوگی لیکن اس کا فائدہ بہت ہوگا۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کا اندازِ تدریس

حضرت حکیم الأمت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں تدریس میں بہت محنت کیا کرتا تھا۔ ''صدرا'' جو فلفسہ کی مشہور کتاب ہے ،اس کی ایک نہایت مشکل بحث ''مثناۃ بالتکریر''جس کا نام سن کر طلباء گھبرا جاتے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے اس پر بہت محنت کی پھر سبق پڑھایا اور سبق پڑھانے کے بعد جب میں نے بتایا کہ یہ ہے وہ بحث جو بہت مشکل ہے تو طلباء گھبرانے لگے۔ حضرت نے فرمایا اب گھبرانے کی کیا بات ہے؟ اب تو تم سمجھ گئے ہو، یہ بحث ختم ہو چکی ہے۔

طلباء سے سبق بھی سنیں

آپ طلباء سے سبق سنیں، اب سبق سننے کا رواج بہت کم ہوگیا ہے۔ ہمارے اساتذہ تو ہر سہ ماہی امتحان کے لیے پوری کتاب سنتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ترجمہ بھی کرو اور اس کا مطلب بھی بتاؤ۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ طالب علم بھی خوب محنت کریں اور اساتذہ کرام بھی، اور طلباء کو عبارت کا صحیح اعراب اور ترکیب معلوم ہونی چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ''ذھب'' مضاف اور لفظِ ''اللہ'' مضاف الیہ۔ حضرات اساتذہ کرام کو طلباء کے سامنے مختصر مسئلہ کی وضاحت بھی کرنی چاہیے۔ بڑی کتابوں مثلاً کنزالدقائق میں ظاہر ہے کہ کچھ نہ کچھ تفصیل تو ہو گی لیکن زیادہ تشریح نہ ہو۔

غیر متعلقہ مباحث سے اجتناب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک صاحب ''میزان الصرف'' پڑھاتے تھے۔ میزان الصرف کے شروع میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ''الحمدللہ رب العٰلمین والعاقبة للمتقین''۔ ایک طالب علم ان کے پاس میزان الصرف پڑھنے آیا تو انہوں نے یہ بحث شروع کر دی کہ ''الحمد'' کے شروع میں الف لام ہے، اس کی چار قسمیں ہیں: عہدِ ذہنی، عہدِ خارجی اور استغراقی وغیرہ۔ اب سامنے بیٹھا ہوا طالب علم استغراق میں بتلا ہے، اس بیچارے کو ان چیزوں کا کیا پتہ وہ تو اپنی پریشانی میں بتلا ہو گیا۔ تو کتبِ فقہ کی عبارت طالب علم سے بہترین انداز میں سنی جائے، طالب علم بد محنت ہو چکے ہیں اور اس دور میں تو وہ محنت کرتے ہی نہیں۔

طلبہ اردو شروحات سے اجتناب کریں

اردو شروحات نے فقہ اور تعلیم کا ستیاناس کر دیا ہے، طلباء کو سب سے زیادہ نقصان اردو شروحات نے پہنچایا ہے۔ ہمارے زمانہ میں یہ اردو شروحات نہیں تھیں، اور اگر تھیں بھی تو اساتذہ منگواتے نہیں تھے، بلکہ فرماتے تھے کہ اصل کتاب پڑھو۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سہارنپور میں طلبہ کو ''معری'' کتابیں دی جاتی تھیں، نہ ان پر حاشیہ ہوتا، نہ زبر نہ زیر نہ پیش۔ اب تو سائنس کی ترقی اور علم کے زوال کا دور ہے۔ اب یہ مصیبت آگئی ہے کہ طالب علم عبارت پر زبر زیر کے ہوتے ہوئے بھی صحیح پڑھ لیں تو یہ ان کی مہربانی ہے، کیونکہ اب استعداد کمزور ہو گئی ہے۔ و الی اللہ المشتکی۔

عالم کو ذی استعداد ہونا چاہیے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب ہماری مدینہ منورہ حاضری ہوئی (یہ ستر پچھتر سال قبل کی بات ہے) تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی[43] رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت سید

---

[43] شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین، اسلام کے عظیم مجاہد اور عارفِ کامل تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت ۱۹/شوال المکرم ۱۲۹۶ھ ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا سید حبیب اللہ صاحب ہے اور آپ حسینی سید ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کے پانچ سپارے اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھے اور باقی سپارے والد صاحب سے پڑھے۔ جب آپ کی عمر ۱۳ سال کی ہوئی تو ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ دورہ حدیث شریف کی کتب پڑھاتے تھے لیکن آپ کو ہونہار پا کر ابتدائی کتابیں بھی خود ہی پڑھائیں۔ اور توجہاتِ خصوصیہ سے نوازا۔ سترہ فنون پر مشتمل درسِ نظامی کی ۶۷ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں پڑھ لیں۔ ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے

احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مدرسہ علومِ شرعیہ کے بانی تھے، انہوں نے ہمارے داداجان کو کہا، کہ اب آپ کا قیام یہیں ہوگا لہذا آپ یہاں مدرسے میں کتابیں پڑھائیں۔ کتابیں تقسیم کردی گئیں۔ وہاں ہدایہ، موطاامام مالک کے علاوہ کچھ دوسری کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں، جن کا اس دور میں ہندوستان میں رواج نہیں تھا۔ حضرت دادا جان نے عرض کیا کہ حضرت فلاں فلاں کتابیں ہمارے ہاں نہیں پڑھائی جاتیں، لیکن اگر آپ چاہیں میرے نام لکھ دیں، میں ان شاء اللہ پڑھا دوں گا۔ یعنی امانت داری کے ساتھ بتا دیا کہ فلاں فلاں کتاب میں نے نہیں پڑھی۔ ہندوستان میں نہیں پڑھائی جاتیں۔ ظاہر ہے کہ جس نے وہ کتاب پڑھی ہی نہ ہو وہ کیسے وہ کتاب پڑھا سکتا ہے؟ لیکن خیر وہ ذی استعداد لوگ تھے۔ اللہ تعالی نے انہیں تفقہ، بصیرت سب دولتیں عطا فرمائیں تھیں۔ حضرت مولانا سیداحمد صاحب نے بہت قیمتی جملہ فرمایا کہ ''مولوی صاحب! عالم کو ہر کتاب پڑھائی تھوڑا ہی جاتی ہے؟ اب کیا آپ کو ساری دنیا کی کتابیں پڑھائی جائیں؟ عالم کے لیے پڑھی اور بے پڑھی سب کتابیں برابر ہوتی ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے کیا مشکل ہے؟ محنت کریں، ان شاء اللہ آ جائیں گی۔ اس دور میں بھی یہ جملہ بالکل صحیح ہے، پڑھی اور بے پڑھی سب کتابیں برابر ہیں۔ آجکل جو کتابیں پڑھی ہوں وہ بھی انہی کی طرح ہیں جو پڑھی ہوئی نہ ہوں، گویا کہ اب معاملہ بالکل برعکس ہوگیا ہے۔

فارغ ہوئے تو والدین اور بھائیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ میں آپ کو وہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ عرب سے نکل کر ممالکِ غیر میں بھی آپ ''شیخ حرمِ نبوی'' مشہور ہو گئے۔ تدریسی اور روحانی خدمات کی مصروفیت کے باوجود آپ اسلام کے سیاسی رخ سے بھی غافل نہیں تھے۔ جمعیت العلماء ہند کے صدر اور قائد کی حیثیت سے آپ نے مقام حاصل کیا اور ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے سلسلے میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے۔ اور بالآخر ملک کو انگریز سے آزاد کرا لیا۔ آپ ساری زندگی اسلام اور ملک و ملت کی خدمت میں مصروف رہے۔ ۱۳/جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

لطیفہ

ہمارے ہاں ایک المیہ یہ بھی ہے کہ جو کتاب جس استاذ کو دی جاتی ہے ،وہ لے لیتا ہے چاہے وہ کتاب اسے آتی ہو یا نہیں گویا جیسے طلباء ویسے اساتذہ۔ مل جل کر دین کی خدمت کریں گے ،اجتہاد سے کتاب کو حل کریں گے لیکن یہ اجتہاد ایسا ہی ہوگا جیسے ایک صاحب اور اس کی اہلیہ کہیں جا رہے تھے۔ نہ جانے ان کو کیا مصلحت سوجھی،شاید سوچا کہ گدھے پر زیادہ وزن نہ آئے خود سوار ہو گئے اور عورت کو کہا کہ تم ذرا پیدل چلو۔ اب ایک ایسی بستی میں پہنچے تو لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے : شرم نہیں آتی، صنفِ نازک کو پیدل چلا رہے ہو اور خود اوپر بیٹھ گئے؟ اس نے کہا ٹھیک ہے ، غلطی ہو گئی۔ آگے سفر اس کے بر عکس کرنے لگے ،کہ خود پیدل چل رہے ہیں اور عورت سے کہا تم سواری پر آ جاؤ۔ اب دوسری بستی میں پہنچے تو وہ لوگ بھی بڑے برہم ہوئے کہ تم بڑے بے بغیرت ہو جو عورت کے غلام ہو، عورت سوار ہے اور تم پیدل ہو۔ خیر اس نے تطبیق کی کوشش کی کہ اب دونوں سوار ہو گئے۔ جب تیسری بستی میں پہنچے تو وہاں والے بھی بہت ناراض ہوئے اور تنبیہ بلیغ کی کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ اس گدھے کو مار رہے ہو دونوں اس پر سوار ہو گئے۔ اب میاں بیوی نے مشورہ سے طے کیا کہ اب دونوں مل کر اس گدھے کو اٹھا لیتے ہیں۔ تو جب اس طرح مل کر کوئی اجتہاد کرے گا تو یہی نتیجہ ہوگا۔

مدرِّس کو قابل ہونا چاہیے

ایک جگہ ایک استاذ گلستان پڑھا رہے تھے ،سامنے طلباء بیٹھے تھے ،میں ان کے پاس سے گزرا تو گلستان کی ایک عبارت آئی :

''توچراغ را نہ بینی بچراغ چہ بینی''

یعنی نابینا کو کہا جا رہا ہے کہ تمہیں چراغ تو نظر نہیں آتا چراغ کے ذریعے سے تم کیا دیکھو گے؟ ترجمہ تو اس کا یہ تھا۔ لیکن وہ اس طرح ترجمہ کرنے پر اصرار کر رہے تھے ''توچراغ کو نہیں دیکھتا توچراغ کو کیا دیکھے گا؟'' یہ ترجمہ ہو رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب استاذ کو ہی عبارت و کتاب نہیں آ رہی تو طلباء کا مستقبل کیا ہوگا؟

ابھی ہمارے ایک معزز مہمان ''انتقال'' کے بارے میں بحث فرما رہے تھے، علم کا انتقال، فقہ کا انتقال، نور کا انتقال، تو انتقالات جب ہی ہوں گے جب استاذ کے پاس بھی علم ہو۔ یہاں تو کتاب ہی ایسے شخص کو دی جاری ہے جو ''آنکہ خویشتن گم است'' کا مصداق ہے۔

طلباء عبارت خود حل کریں

احقر کے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث **مولانا محمد زکریا صاحب** رحمۃ اللہ علیہ[44] کے والد ماجد حضرت **مولانا محمد یحیٰ صاحب** رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود سبق کی تقریر نہیں کرتے تھے بلکہ

---

[44] آپ حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند اور بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے تھے۔ اصل وطن کاندھلہ تھا، اسی نسبت سے کاندھلوی کہلاتے تھے۔ ۱۱/رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کو پیدا ہوئے اور اول تا آخر تمام تعلیم اپنے والد گرامی کے زیر تربیت مظاہر علوم سہارنپور میں حاصل کی۔ ۱۳۳۴ھ میں دورہ حدیث شریف علامہ خلیل احمد سہارنپور رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے والد ماجد مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ فراغتِ تعلیم کے بعد آپ مظاہر علوم میں ہی مدرس مقرر ہوئے اور بہت جلد ہی اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے صدر مدرس بن گئے۔ اور حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب عطا فرمایا۔ آپ نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے خوب روحانی و علمی فیض حاصل کیا۔ اور خلعتِ خلافت سے بھی نوازے

طلبہ پر بوجھ ڈالتے تھے کہ کتاب کو خود حل کرو، دراصل یہ بڑا مجاہدہ ہے کہ استاذ ہر طالب علم کی بات سنے۔ استاذ کی عادت تو خود سنانے کی ہوتی ہے۔ استاذ طالب علم کو کہے کہ تم عبارت پڑھو ترجمہ کرو، تقریر کرو، ہم پھر بتائیں گے کہ تقریر میں کہاں غلطی ہوئی۔ لیکن اگر کچھ عرصے تک یہ کام ہو جائے تو طالب علم کو کتاب میں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے یا کیا سمجھ رہا ہے۔

تذکرہ صاحبِ "کنز" اور صاحبِ "عقائد"

کنز کی عبارت مشکل ترین ہے۔ کنز کے معنیٰ "خزانہ" ہے جس کو آپ نے نکالنا ہے۔ اس کی عبارت بڑی مختصر اور جامع ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام عبداللہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے آدمی اور امام ہیں بلکہ ان کے دور کے تمام حضرات ہی علوم و فنون کے ماہر اور جامع ہوتے تھے، صرف فقہ کے ہی ماہر نہیں تھے۔ ایک دوسرے علامہ عمر نسفی ہیں جو صاحبِ "عقائد" ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ "ومن العجائب انه دقّ باب الزمحشری" عمر، علامہ زمخشری کے دروازے پر پہنچ گئے، جا کر دستک دی۔ علامہ

گئے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی۔ بہت سی تصانیف آپ کے قلم سے منصہ شہود پر آئیں۔ اوجزالمسالک شرح موطا امام مالک، خصائلِ نبوی شرح شمائلِ ترمذی، آپ بیتی، تبلیغی نصاب (فضائلِ اعمال)، اس کے علاوہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریرِ ترمذی "الکوکب الدری" پر جو آپ نے حاشیہ تحریر فرمایا وہ جامعیت اور اختصار کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر بخاری "لامع الدراری" پر جو آپ نے مفصل تعلیقات فرمائی ہیں، آج صحیح بخاری کا کوئی طالب علم یا مدرس ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ آپ نے درس و تدریس اور علم و تصنیف میں بلند مقام پایا تھا۔ ۲۴/مئی ۱۹۸۲ء کو علم و فضل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا جس کی کرنوں سے پوری دنیا منور تھی۔

زمخشری نے پوچھا: ''من انت؟'' جواب دیا کہ عمر،انہوں نے کہا: انصرف،یہ کہنے لگے ''عمر لاینصرف''علامہ زمخشری نے جواب دیا ''اذا نکّر صرف''۔[45]

مہتمم کا درس سماعت کرنا

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ اپنے والد ماجد کے سامنے کنز پڑھائی۔ والدصاحب فرمانے لگے کہ تم نے بہت زیادہ پیچیدہ تقریر کر دی، طالب علم کو تو سمجھ نہیں آ رہی ہو گی۔اس وقت پڑھانے کا طریقہ بھی سکھایا جاتا تھا۔ یہ طریقہ بالکل صحیح ہے کہ جس استاذ کو کتاب دی جائے ، مہتمم صاحب اس سے خودایک مرتبہ سماعت فرمالیں۔

صدرمدرِّس کون ہو؟

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سہارنپور میں صدرمدرس حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری رحمہ اللہ[46] تھے۔ صدرمدرس اس شخص کو بنایا جاتا ہے جو تمام علوم و

---

[45] ظفرالمحصّلین باحوال المصنفین،ترجمۃ صاحب العقائد النسفیۃ،۱۸۴،دارالاشاعت،کراتشی،۲۰۰۰ء

[46] حضرت مولاناعبدالرحمن کاملپوری رحمہ اللہ اپنے وقت کے عظیم محدث ، مفسر،فقیہ اور عارفِ کامل تھے۔ حق وصداقت اور تواضع وانکساری کا پیکر تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب مشہورافغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے۔ آپ کے والد محترم مولانا گل احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے وقت کے مشہور خطیب ، متورع، متقی،اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ آپ کی پیدائش ۲۷/اگست ۱۸۸۲ء کو بہبودی ضلع کیملپور میں ہوئی۔ قرآن مجید کی تعلیم بہبودی ہی سے حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ دورہ حدیث کی اکثر کتابیں

فنون کا ماہر ہو۔کسی بھی کتاب پڑھانے والے استاذ کو کوئی اشکال پیش آئے تو صدر مدرس اس کو حل کر دے۔ فرماتے تھے کہ میں جب جامعہ اشرفیہ لاہور آیا، تو میرے پاس ایک دفعہ میراث کا سوال آیا تو میں وہ سوال لے کر صدرمدرس کے پاس چلا گیا، وہ بزرگ عالم تھے تو کہنے لگے ، میں نے تو میراث نہیں پڑھی ،اس پر تعجب ہوا کہ صدرمدرس کے لیے یہاں یہ شرط نہیں۔ حالانکہ صدرمدرس کے لیے تو یہ ضابطہ ہوتا ہے کہ اس کو ساری کتابوں اور علوم و فنون پر مہارت ہو۔

یہ بات آپ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ جس مدرس کو آپ مقرر فرماتے ہیں کم ازکم اس سے صدرمدرس صاحب ایک مرتبہ کتاب کو سنیں تاکہ اچھی طرح تسلی ہوجائے کہ یہ مدرس اس کتاب کو پڑھا سکتا ہے۔ یہ بڑا اہم کام ہے ،اس سے آئندہ آنے والی نسلوں کا فائدہ ہو سکے گا۔

حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ سے پڑھیں اور ۱۳۲۱ھ میں مظاہر علوم سے سندِ فراغت حاصل کی۔ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، علامہ انورشاہ کاشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمھم اللہ سے کتبِ حدیث دوبارہ پڑھیں۔ فراغت کے بعد مظاہر علوم میں تدریس کرتے رہے بلکہ صدرمدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے : ''مولانا کامل پوری نہیں بلکہ کامل پورے ہیں۔ ''حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے تھے : ''قیامت میں اتنا کہہ دینا اپنے لیے کافی سمجھتا ہوں کہ میں نے مولانا عبدالرحمن صاحب کو دیکھا ہے۔ ''آپ کا علمی وروحانی مقام بہت بلند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے کمالات سے نوازا تھا۔ ۲۷/شعبان ۱۳۸۵ھ علم و عمل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

مدرِّس کو حریص ہونا چاہیے

دوسری بات یہ ہے کہ مدرس کے اندر اس بات کی حرص ہونی چاہیے کہ طلباء جو میرے پاس امانت ہیں، میں نے ان کی طرف علم منتقل کرنا ہے۔ کنز کے بعد شرح الوقایہ میں چونکہ دلائل بھی آئیں گے، اس لیے دلائل بھی بخوبی سمجھائے، اس کے بعد ہدایہ پڑھائی جاتی ہے جو درجے میں گویا سپریم کورٹ ہے۔

''براہینِ قاطعہ'' بر ''انوارِ ساطعہ''

مولانا عبدالسمیع رامپوری شاعر بھی تھے اور مجدد البدعات بھی۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے بدعات کو مدلل کیا۔ اسی کی ایک کتاب ''انوارِ ساطعہ'' ہے، جس کا جواب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''براہینِ قاطعہ'' کے نام سے دیا تھا۔ اس شخص نے بدعات کو دلائل کے ساتھ تحریر کیا، پھر حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کمال کا جواب لکھا۔ یاد رکھیے اہل السنت والجماعت کا سنت و بدعت کے بارے میں موقف آپ کو اس وقت تک معلوم نہیں ہو گا، جب تک آپ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کو صحیح طرح سمجھ کر نہیں پڑھیں گے، یہ حضرت سہارنپوری کی بڑی عظیم کتاب ہے۔

''مولوی'' کی دو تعریفیں

مولوی کی دو تعریفیں ہیں ایک تو وہ ہے جو ''حمد باری'' کے مصنف مولانا عبدالسمیع رامپوری نے کی ہے۔ ''حمد باری'' رسالہ تو ہم نے نہیں پڑھا، البتہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اس کی بہت تعریف کیا کرتے تھے کہ اس نے بہت سی لغات جمع کی ہیں، اس کتاب میں یہ لکھا ہے ؎

علم مولا ہو جسے ہے مولوی   جیسے حضرت مولوی معنوی

''حضرت مولوی معنوی'' سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ بلکہ صراحت ہے، ایک تعریف تو مولوی کی یہ ہے۔ اب دیکھیے ''مولوی'' کے اندر کتنی بڑی نسبت ہے لیکن اب یہ صورت حال ہو گئی ہے کہ اگر مولوی کہہ دیا جائے تو باقاعدہ طور پر احتجاج ہوتا ہے کہ مجھے مولوی کہا گیا ہے، میرے لیے مولانا یا علامہ یا اس طرح کا کوئی بڑا لقب ہونا چاہیے۔

القابات کا صحیح استعمال

بادشاہ نے ایک حجام کو ''استاد'' کا لقب دیا۔ قصہ یوں ہوا کہ بادشاہ سویا ہوا تھا۔ اس نے آکر بادشاہ کی سوتے ہوئے حجامت کر ڈالی، بادشاہ نے حجام کو طلب کیا اور کہا جناب آپ اس فن میں بڑے ماہر ہیں، آج سے میں تمہیں ''استاد'' کا خطاب دیتا ہوں۔ خواتین کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ اس حجام کے گھر مبارکباد دینے پہنچ گئیں اور مبارکباد دینے لگیں۔ حجام کی بیوی نے پوچھا کس بات کی مبارکباد؟ ان عورتوں نے کہا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے شوہر کو استاد کا لقب دیا گیا ہے۔ کہنے لگی کس نے دیا ہے؟ انہوں نے کہا بادشاہ نے دیا ہے۔ وہ کہنے لگی: کیا بادشاہ حجام ہے؟ انہوں نے کہا بادشاہ کیوں حجام ہو گا وہ تو بادشاہ ہے۔ تو وہ کہنے لگی پھر بادشاہ صاحب کو کیا پتہ کہ یہ کیا پیشہ ہے؟ اگر اسی پیشہ سے منسلک افراد جمع ہو کر یہ فیصلہ کریں کہ یہ ہمارا استاد ہے پھر تو وہ استاد ہو گا، بادشاہ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ تو یہ ''علامہ، مولانا'' وغیرہ کے جو جامع مانع لقب دیے جا رہے ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے۔ خیر ''مولوی'' بہت بڑا لفظ ہے، اس کی یاء نسبت کی ہے یعنی اللہ والا، پہلے حضرات کا طریقہ بھی یہی تھا کہ اسی طرح علماء کو پکارتے۔

دوسری تعریف حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولوی وہ ہے جس کے سامنے ہدایہ کی چار جلدیں رکھی جائیں، اور جس جگہ سے پوچھا جائے اور وہ اس جگہ کو بلاتامل اور صحیح حل کردے۔ یوں ہدایہ آنی چاہیے تب فائدہ بھی ہے پڑھنے پڑھانے کا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تواضع[47]

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت مولانا معین الدین جواجمیر کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں، منطق و فلسفہ کے بھی بہت بڑے امام تھے۔ ان کے دل میں حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی تو وہ دیوبند تشریف لائے، اسٹیشن پر آکر حضرت کے بارے میں پوچھا تو تانگے والے نے کہہ دیا کہ مولانا وغیرہ تو

---

[47] شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب جید عالم اور صاحب تصانیفِ کثیرہ بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الہند کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ ۱۵/محرم الحرام ۱۲۸۳ ھ کو دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو آپ اس مدرسہ کے پہلے طالب علم تھے۔ ۱۲۸۶ھ میں کتبِ صحاحِ ستہ کی تکمیل کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔ حدیث میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے علاوہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی رحمہم اللہ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ آپ جامع شریعت وطریقت تھے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ آپ کو ''شیخ العالَم'' کہتے تھے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ محمد انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مولانا حبیب الرحمن عثمانی رحمہم اللہ جیسے مشاہیر علم و فضل شامل ہیں۔ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے آپ کے کمالات علمیہ وروحانیہ سے خوش ہو کر دستارِ خلافت اور اجازت نامہ بیعت عطا فرمایا۔ اسی طرح حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے بھی آپ کو اجازتِ بیعت حاصل ہے۔ ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دیوبند میں رحلت فرمائی۔

یہاں کوئی نہیں ہے ، البتہ ایک بڑے مولوی صاحب ہیں ، اگر آپ کہیں تو وہاں پہنچا دوں ؟ کہنے لگے اچھا بھائی !وہاں پہنچا دو۔ وہاں پہنچ گئے ، دروازے پر دستک دی ، اندر سے ایک صاحب تشریف لائے جنہوں نے تہبند باندھا ہوا تھا ، باقی کپڑے اتارے ہوئے تھے ، یہ بہت بڑا سفر کر کے وہاں پہنچے تھے ۔ گرمی کا موسم تھا ، انہوں نے اپنے کچے سے گھر کی بیٹھک میں ان کو بٹھا لیا ۔ اندر سے شکر یا گُڑ کا شربت لا کر پیش کیا کہ گرمی بہت ہے ، یہ پی لیں ۔ وہ تقاضا کرنے لگے کہ حضرت کو میرے آنے کی جلدی اطلاع کرو تاکہ ملاقات ہو جائے ۔ وہ فرمانے لگے اطلاع ہو گئی ہے ۔ پھر پنکھا لیا اور ہاتھ سے ان کو ہوا دینے لگے انہوں نے کہا میں کب سے آیا ہوں ، آپ بھی عجیب آدمی ہیں ، ان سے میری ملاقات نہیں کروا رہے ۔ جلدی میری ملاقات کرواؤ ان سے ۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا تو یہاں کوئی نہیں البتہ بندہ محمود حسن خاکسار ہی کا نام ہے ۔ مولانا معین الدین یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے ۔[48]

ہدایہ کی ایک عبارت کا حل

تیس سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا ، حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ العالی ساہیوال تشریف لائے ۔ شدید گرمی تھی ۔ مجھے فرمانے لگے : ہدایہ لاؤ ۔ میں سوچنے لگا کہ پہلے شدید گرمی ہے اوپر سے ہدایہ کا امتحان نہ شروع ہو جائے ۔ میں نے ہدایہ لایا تو حضرت مدظلہ نے ہدایہ کھول کے حضرت والد صاحب کے آگے رکھ دی ، اور حضرت والد صاحب سے فرمایا کہ حضرت اس عبارت کا مطلب کیا ہے ؟ شدید گرمی تھی ، اس زمانے

---

[48] البلاغ مفتی اعظم نمبر ، حضرت کے شیوخ واکابر ، حضرت شیخ الہند ، ۲۵۴

میں ائیر کولر وغیرہ جیسی کوئی چیز نہ تھی، اور پنکھا چلانے کی حضرت والد صاحب کے ہاں اس طرح اجازت تھی کہ پنکھے کے پَر نظر آ سکیں۔ فرماتے تھے کہ پسینہ نکلنا چاہیے، کہیں مسام بند نہ ہو جائیں۔ ان بزرگوں کے ہاں صحت کا بھی خیال تھا۔ تو حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب مدظلہ نے ہدایہ کی عبارت کا مطلب پوچھا تو ابا جی نے وہ عبارت دیکھی اور اس کی تشریح فرمائی۔ تو مولانا مشرف علی صاحب بہت خوش اور حیران ہوئے۔ فرمانے لگے: میں نے بہت سے حضرات سے اس کا مطلب پوچھا، سوائے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی نے اس کو صحیح حل نہیں کیا، آپ دوسرے شخص ہیں جو اس کو صحیح حل کر پائے ہیں۔

صحت کا خیال ضروری ہے

حضرت تھانوی صاحب کے پاس ایک آدمی گئے، کہنے لگے: حضرت! سر میں درد ہے، کوئی علاج بتائیں۔ حضرت نے فرمایا بھائی سر میں تیل لگاؤ۔ وہ کہنے لگا کہ حضرت رومال خراب ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا دماغ بے شک خراب ہو جائے لیکن رومال خراب نہ ہو۔

معاملات کی اہمیت

ایک بڑی اہم بات یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جو حضرات پڑھائیں وہ ماہر ہونے چاہیے۔ خاص طور پر جو بیوع اور معاملات کے ابواب ہیں، وہ بڑے اہم ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''لا یبیع فی سوقنا من لم یتفقه فی الدین ''[49]اس شخص کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت نہیں جو مسائل نہ جانتا ہو۔

محشر میں مال کا سوال

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے بڑی عجیب بات لکھی ہے کہ اگر مسلمانوں اور کافروں کے معاملات کو دیکھا جائے تو کوئی فرق ہی معلوم نہیں ہوتا، جیسے وہ کر رہے ہیں مسلمان بھی اسی طرح کر رہے ہیں، حلال و حرام کی تمیز نہیں۔ حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ جب تک ابنِ آدم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اس وقت تک قدم ہلانے کی اجازت نہیں ہوگی۔[50] یہاں تو اس بات کی پرواہ ہی نہیں کہ حلال ہے یا حرام، حالانکہ حلال کے اندر اتنی برکت ہے۔

---

[49] روى مالك عن العلاء بن عبد الرحمن بن يعقوب عن أبيه عن جده قال: قال عمر بن الخطاب: لا يبيع في سوقنا إلا من قد تفقه في الدين. (شرح السنة للبغوی:کتاب البیوع،باب الاتقاء عن الشبھات،رقم الحدیث: ۲۰۳۳)

[50] حدثنا حميد بن مسعدة قال: حدثنا حصين بن نمير أبو محصن قال: حدثنا حسين بن قيس الرحبي قال: حدثنا عطاء بن أبي رباح عن ابن عمر عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:لا تزول قدم ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس عن عمره فيم أفناه وعن شبابه فيم أبلاه وماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه وماذا عمل فيما علم۔هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا من حديث الحسين بن قيس وحسين بن قيس يضعف في الحديث من قبل حفظه۔ وفي الباب عن أبي برزة وأبي سعيد۔(سنن الترمذی،ابواب صفة القیامة،رقم الحدیث:۲۴۱۷)

رزقِ حلال کے ثمرات

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا دور تھا۔ حضرت ، دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدرمدرس تھے اور شیخ الحدیث بھی تھے۔ سب کے استاد (استادالکُل) تھے۔ اوران کے والد ماجد حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ تو واقعی استادالکُل تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاد اور خود ان (مولانا محمد یعقوب نانوتوی) کے بھی اور سب کے استاد تھے۔ بہرحال ان کے دور کا واقعہ یاد آگیا۔ فرماتے ہیں کہ دیوبند میں ایک شخص جو بہت ہی زیادہ غریب تھا۔ جنگل سے لکڑیاں چُن کے لاتا اور بازار میں فروخت کر کے گزارا کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے دل میں خیال آیا کہ دیوبند میں بڑے بڑے حضرات اولیاء اللہ، وقت کے قطب اوراقطاب پڑھا رہے ہیں، ان کی دعوت کروں۔ کیونکہ دیوبند کا یہ وہ دور تھا جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ چپڑاسی سے لے کر شیخ الحدیث تک سب کے سب صاحبِ نسبت اور ولی اللہ تھے۔ اب یہ ان حضرات کی خدمت میں آیا اور دو پیسے پیش کیے، اور کہا حضرت میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ کی دعوت کی جائے لیکن ہمارے ہاں تو دعوت تیار کرنے کا انتظام نہیں۔ بس یہی دو پیسے ہیں، میری طرف سے قبول فرمالیں۔ اور خود ہی انتظام کر کے میری طرف سے دعوت کھالیں۔ تو اس کے ذہن میں بھی یہی آیا کہ میرے پاس اور انتظام تو نہیں یہ پیسے آپ قبول فرمائیں، ان حضرات نے اس کو قبول فرما لیا۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دو پیسوں سے ہم اساتذہ نے مل کر دعوت کھائی، ایک ایک لقمہ یا دولقمے جو بھی حصے میں آیا کھایا۔ فرماتے ہیں اس رزقِ حلال کی یہ برکت ہوئی کہ ایک ماہ تک گناہ کا خیال بھی نہ آیا۔

سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وزیر کو تنبیہ

سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ [51] وضو فرما رہے تھے۔ ان کے ایک بڑے وزیر بھی پاس تھے۔ سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان وزیر صاحب سے وضو یا نماز کا ایک مسئلہ دریافت کیا۔ (میں یہ سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ

---

[51] سلطان اورنگزیب عالمگیر بن شاہ جہان اتوار کی رات ۱۵/ذوالقعدہ ۱۰۲۸ھ میں ''دوحد'' کے مقام پر پیدا ہوا۔ اورنگزیب کی ولادت اس کے دادا جہانگیر بن اکبر شاہ کے زمانہ حکومت میں ہوئی۔ سلطان جہانگیر نے اس کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا۔، اور اسے مولانا عبداللطیف صاحب سلطان پوری، مولانا محمد ہاشم گیلانی، شیخ محی الدین بن عبداللہ بہاری اور دیگر نامور علمائے عصر کے حلقہ تلمذ میں داخل کیا۔ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بہت سے کمالات کا مجموعہ تھی۔ وہ علوم و فنون کی مختلف اقسام میں بھی یکتائے روزگار تھا۔ تصوف و طریقت میں بھی دل چسپی رکھتا تھا اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند شیخ محمد معصوم سرہندی رحمہ اللہ سے بیعت تھا۔ اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کی زندگی کے دو پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک پہلو بادشاہت کا اور دوسرا عالمِ دین اور خادمِ اسلام کا۔ علمی اعتبار سے وہ عالمِ دین اور متعدد علوم و فنون پر عبور رکھتا تھا۔ نیکی اور دینداری کے لحاظ سے متقی، متورع، نماز باجماعت کا پابند، تہجد گزار اور قائم اللیل تھا۔ علماءِ دین کا انتہائی قدردان تھا۔ اور ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ علومِ دین کی ترویج واشاعت میں کوشاں رہتا اور طلباء کی ضروریات کی کفالت کرتا۔ انہیں کتابیں مہیا کرتا اور ان کے لیے اکل و شرب اور سکونت و رہائش کا بھی اہتمام کرتا۔ اور ان کی ضرورت کے مطابق وظائف بھی دیتا۔ قرآن کریم سے اتنا شغف تھا کہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد قرآن کریم کے حفظ کی سعادت حاصل کی۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کو معرفت و آگاہی حاصل تھی۔ فقہ میں درجہ کمال حاصل تھا اور اس کی جزئیات پر پورا استحضار تھا۔ فقہ کے سلسلہ میں اس کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ علماءِ حنفیہ کی ایک عظیم جماعت سے، دو لاکھ روپے خرچ کر کے ''فتاویٰ ہندیہ'' جسے ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، مرتب کرایا۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین و ترتیب کے بعد عالمگیر نے پورے ملک میں حکم جاری کر دیا تھا کہ عدالتی فیصلوں میں اسی کو سامنے رکھا جائے اور اسی کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔ برصغیر میں اسلامی احکام و اوامر کی نشر و اشاعت میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ اپنے باپ شاہ جہان کو نظربند کر کے

علیہ کے زمانے کی بات کررہاہوں، موجودہ زمانے کی بات نہیں کررہا۔ یہاں کوئی وضو کا تصور ہے؟ یہاں تو تیمم ہی نہیں وضو تو بعد کی بات ہے)خیر انہوں نے اپنے وزیر سے مسئلہ پوچھا، وزیر صاحب کو نہ آیا۔ سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بہت ڈانٹا کہ تجھے مسئلہ نہیں آتا۔ بس پھر ان کے کان کھڑے ہو گئے اور پھر سب حضرات متحرک ہو گئے، طلباء اور علماء کی خوب قدر ہوئی اور ماشاء اللہ انہوں نے خوب مسائل سیکھے۔

علوم میں پختگی ہونی چاہیے

ایک صاحب کا انٹرویو تھا۔ ان سے سوال ہوا کہ حج کی کتنی قسمیں ہیں؟ کہنے لگے کہ تین قسمیں ہیں۔ حج افراد، حج تمتع اور حج قران۔ پوچھا گیا کہ ان کی وضاحت کریں۔ کہنے لگے کہ حج افراد کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے حج کرنا ، اور حج تمتع کا مطلب یہ ہے کہ کچھ کھانا پینا اور قران کا مطلب ہے کہ مل جل کر حج کرنا۔

ہمارے علماء مختلف محکموں میں انٹرویو کی زد میں آجاتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ تأثر ہوتا ہے کہ مولویوں اور عالموں کو کچھ نہیں آتا۔ اصل میں وہاں کوئی صحیح اور قابل آدمی جاتا ہی نہیں۔

چالیس سال کی عمر میں ۱۰۶۸ھ میں تختِ ہند پر متمکن ہوا۔ پچاس سال بڑے رعب ودبدبے کے ساتھ حکومت کی اور نوے (۹۰) برس عمر پاکر ذوالقعدہ ۱۱۱۸ھ میں دکن میں فوت ہوا۔ اس کی قبر دکن میں ایک بزرگ شیخ زین العابدین کی قبر کے قریب ہے۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''برصغیر پاک وہند میں علمِ فقہ'' مؤلفہ مولانا محمد اسحاق بھٹی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

عربی فاضل کا امتحان

۱۹۸۶ء کی بات ہے، میں حضرت والد صاحب کو اطلاع کیے بغیر عربی فاضل کا امتحان دے رہا تھا۔ انٹرویو میں انہوں نے فقہ، اصولِ فقہ اور ادبِ عربی کے مسائل پوچھے۔ ہمارا جوانی کا دور تھا، ہم نے بھی تیزی دکھائی، الحمدللہ ہر سوال کا جواب دیا۔ وہ لوگ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے آپ نے درسِ نظامی تو نہیں کیا؟ میں نے کہا: جی کیا ہے۔ کہنے لگے اب کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا: پڑھاتا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے عربی میں پانچ منٹ تقریر بھی کروائی تھی۔ کہنے لگے: آپ اپنا پسندیدہ شعر سنا دیں۔ میں نے متنبی کا شعر پڑھا ؎

واذا أتتک مذمتی من ناقص فھی الشھادة لی بأنی کامل

تحریری و تقریری امتحان

پڑھاتے وقت طلباء سے سوال و جواب بھی ہوں بلکہ اس طرح کیا جائے کہ ہر ہفتہ طلبہ جو پڑھتے ہیں اس کے مضامین کے متعلق سوال وجواب کی نشست ہو جائے۔ اگر نشست نہ ہو تو تحریری سوال و جواب ہی ہو جائیں تاکہ ان کو پتہ چلے کہ ہم نے کیا پڑھا ہے؟ تقریری امتحان کے بھی فوائد ہیں وہ ضرور ہونا چاہیے، اس سے طلبہ کی استعداد کا بھی پتہ چلتا ہے۔ تقریری امتحان میں حافظے کا امتحان ہے اور تحریری امتحان میں طالب علم کی لیاقتوں اور صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے۔

قواعد کی عملی تطبیق

سہارنپور مدرسے کے ساتھ ایک دکان تھی۔ مدرسے کے ایک طالب علم کو اس دکان میں ایک ٹوپی پسند آگئی۔ طالب علم، دکاندار سے کہنے لگا کہ یہ ٹوپی آپ مجھے دے دیں۔ اس نے کہا پیسے؟ طالب علم کہنے لگا بعد میں لے لینا، فی الحال میرے پاس نہیں۔ اس ٹوپی پر زری کا کام ہوا تھا، اور یہ بیع صرف تھی۔ دکاندار کہنے لگا: مولوی صاحب آپ کتابیں پڑھتے ہیں، آپ کو پتہ نہیں کہ بیع صرف کے اندر ادھار جائز نہیں۔[52] مولوی صاحب نے پڑھا تو تھا لیکن اس کی عملی تطبیق سمجھ نہیں آرہی۔ طالب علم نے کہا میرے پاس پیسے جو نہیں ہیں۔ بعد میں جب پیسے ہوں گے تو پھر میں یہ ٹوپی لے لوں گا۔ دکاندار نے کہا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کو طریقہ بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ مجھ سے یہ پیسے ادھار لے لیں، اور ان پیسوں سے آپ ٹوپی نقد خرید لیں۔ دیکھیے! دوکان دار ہے اور دوکان دار ہونے کے باوجود مسائل کا علم ہے۔ اور ساتھ میں یہ حیلہ بھی بتا دیا کہ اس کا متبادل یہ ہے۔

[52] درسِ نظامی میں شامل فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

قال:الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان سمي به للحاجة إلى النقل في بدليه من يد إلى يد۔۔۔قال: ولا بد من قبض العوضين قبل الافتراق۔۔۔فإن افترقا في الصرف قبل قبض العوضين أو أحدهما بطل العقدلفوات الشرط وهو القبض۔(الهداية،كتاب الصرف،۸۱/۳،داراحياء التراث العربى،بيروت)

رسالہ ''صفائی معاملات'' کی افادیت

اس متبادل کے لیے حضرت حکیم الأمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت زبردست رسالہ لکھا ہے۔ جو حضرات قدوری پڑھانے والے یہاں تشریف فرما ہیں۔ ان سے میں یہ گزارش کروں گا کہ قدوری کی کتاب البیوع سے پہلے حضرت تھانوی کا ایک زبردست رسالہ ''صفائی معاملات'' ضرور پڑھیں۔ اس کی روشنی میں آگے چلیں۔ اس کے اندر کئی معاملات کے متبادل لکھے ہیں۔ مثلا بیع فاسد، بیع باطل کا متبادل کیا ہے؟ اور بیوعات کے اندر مسلمان کیسے جائز طریقے اختیار کرسکتے ہیں؟

مدرِّس کو معاملات سے باخبر رہنا چاہیے

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بازاروں میں جاتے اور لوگوں سے پوچھتے تم معاملات کیسے کرتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا ایک عالم اور مدرس کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آج کل معاملات کی کیا صورتیں ہیں؟ تاکہ طلباء کو ان سے مستفید کرنے کا موقع مل سکے۔ ان کو معلوم ہو کہ کس طرح معاملات کیے جانے چاہییں؟ یہ بیع باطل ہے یہ فاسد ہے، مکروہ ہے، حرام ہے، یہ اجارہ ہے، خیارِ عیب ہے، خیارِ رؤیت ہے۔ یہ ساری تفصیلات صرف ذہن کی حد تک نہ رکھیے بلکہ طلباء کے سامنے عملی طور پر یہ باتیں آنی چاہییں۔ یہ نہ ہو کہ جب وہ فارغ ہوں تو بالکل ہی فارغ ہوں ؎

مولوی گشتی و آگاہ نیستی　　　از کجا و خود کجا و کیستی

ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کو ساری تفصیلات معلوم ہونی چاہییں۔

ایک نکتہ اور ایک لطیفہ

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ المعاملات پر کتاب ہے ''تطہیر الأموال فی الحرام والحلال ''[53]۔ فی الحلال والحرام نہیں ہے بلکہ قافیہ کہ رعایت کرتے ہوئے ''فی الحرام والحلال'' ہے۔

ایک صاحب جا رہے تھے، دوسرے سے کہنے لگے ''جاٹ رے جاٹ تیرے سر پہ کھاٹ'' اس نے جواب میں کہہ دیا ''تیلی رے تیلی تیرے سر پہ کولہو''۔ وہ کہنے لگا قافیہ نہیں مل رہا، اس نے کہا چلو قافیہ نہیں مل رہا تو نہ ملے، بوجھ میں تو مرے گا۔ ''تطہیر الأموال فی الحرام والحلال ''معاملات کے حوالے سے بڑی اچھی کتاب ہے۔

قدیم کتب سے جدید مسائل کا استنباط

جدید معاشی مسائل اور معاملات کے حوالے سے جو کام ہمارے حضرات نے مکمل کیا ہے، وہ سارا کام اہلِ علم کے سامنے ہونا چاہیے۔ اس نہج پر آپ طلبہ کو ڈال دیں تو فائدہ ہوگا۔ ان کو ضروری چیزیں سمجھائیں اور معاملات کر کے دکھائیں، جس سے ان پر معاملات صحیح ظاہر ہوں۔ جب طلبہ قرآن و سنت کی روشنی میں فقہ کے حوالہ سے بات کریں گے تو ان کو متبادل نظام اور متبادل حل سمجھ میں آ جائے گا۔ فقہاء نے سب چیزیں کتابوں میں لکھ دی ہیں۔ بڑے سے بڑے علماء جب بھی کسی معاملے پر گفتگو کرتے ہیں یا تحریر

---

[53] تطہیرالأموال فی تحقیق الحرام والحلال۔اس کا اردو نام ''عطرِ ہدایہ'' ہے۔ زمزم پبلشرز کراچی سے چھپی ہے۔

لکھتے ہیں تو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس میں حوالے کہاں سے لاتے ہیں؟ دورِجدید کی تو کچھ ہی کتابیں ان کے سامنے ہیں، فقہاء کی قدیم کتابوں کے حوالوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ کوئی ''بدائع الصنائع''[54] کا حوالہ دے رہا ہے کوئی ''فتح القدیر''[55] کا کوئی ''البحر الرائق'' کا، اسی طرح ان کتابوں کے علاوہ ''شامی''[56] اور ''عالمگیری'' کے حوالے بھی دیں۔ فقہاء نے ان عبارتوں میں اصول لکھ دیے ہیں الحمد للہ۔

---

[54] یہ علامہ علاؤ الدین سمرقندی رحمہ اللہ کی کتاب ''تحفة الفقهاء'' کی شرح ہے جو علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۸۷ھ) نے لکھی۔ فقہ حنفی میں بے نظیر کتاب ہے۔ ان کے شیخ علامہ سمرقندی رحمہ اللہ نے اس شرح کی بنا پر اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کر دیا باوجودیکہ اس نکاح کے لیے شاہزادوں کے پیغامات موجود تھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(قوله: كما في البدائع) هذا الكتاب جليل الشأن، لم أر له نظيرا في كتبنا، وهو للإمام أبي بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني شرح به تحفة الفقهاء لشيخه علاء الدين السمرقندي، فلما عرضه عليه زوجه ابنته فاطمة بعدما خطبها الملوك من أبيها فامتنع، وكانت الفتوى تخرج من دارهم وعليها خطها وخط أبيها وزوجها.

[55] کمال الدین محمد بن عبدالواحد سیواسی المعروف با بن الہمام متوفی ۶۸۱ھ کی شہرہ آفاق کتاب جو انہوں نے ہدایہ کی شرح کے طور پر لکھی۔ کتاب الوکالہ شروع کی تھی کہ وقتِ موعود آپہنچا۔ پھر علامہ شمس الدین احمد بن قودر المعروف بہ ''قاضی زاده'' نے مکمل کی۔

[56] یہ ''الدرالمختار'' کا مقبول، مستند اور جامع حاشیہ ہے۔ جو خاتمۃ المحققین علامہ محمد بن امین بن عمر المعروف با بن عابدین شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ اس حاشیہ کا اصل نام ''ردالمحتار'' (بالحاء المهملة) ہے۔ یہ ترکیبِ اضافی ہے۔ ''ردّ'' کا معنی ہے لوٹانا، ''محتار'' کا معنی ہے حیران و سرگرداں۔ یعنی جو شخص ''الدرالمختار'' کے سمجھنے اور مسائل کے حل میں حیران و پریشان ہے، یہ کتاب اس کی حیرت کو دور کر کے اس کو مطمئن کر دے گی۔ اس کا دوسرا نام ''حاشیۂ ابن عابدین'' ہے۔ ممالکِ عربیہ میں اسی نام سے مشہور ہے۔ تیسرا نام ''شاميّة'' (بالياء المشددة) یا ''شامی'' ہے۔ مصنف چونکہ شام کے رہنے والے تھے، اس لیے ان کے علاقے کی نسبت سے یہ نام ہے۔ جیسے ''صحیح البخاری'' کو ''بخاری'' کہتے ہیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کو ''الدرالمختار'' سے حد درجہ شغف اور اس کے مصنف سے

اجتہاد کے لیے شرائط کا تحقق ضروری ہے

اگر آپ کو اجتہاد کی ضرورت پیش آئے اور شرائط کا تحقق ہو تو آپ اس سے بھی دریغ نہ کریں۔ لیکن یہ جب ہی ہے کہ شرائط کا تحقق ہو ''واذا فات الشرط فات المشروط''۔ اجتہاد ان مسائل میں ہو گا جو جدید ہوں۔ بہرحال میں یہی کہوں گا کہ ان کتابوں کو اگر سمجھ کر پڑھ لیا جائے جو جدید فقہاء کی کتابیں ہیں، جن کا تعلق فقہ اور اصولِ فقہ سے ہے تو آپ قیامت تک مار نہیں کھا سکیں گے، ان شاء اللہ۔

حیاتِ شہداء

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں :

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.[57]

ترجمہ : اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح) مردے ہیں کہ بلکہ وہ تو (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں لیکن تم (ان) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے۔ (بیان القرآن)

انتہائی انسیت تھی۔ حتیٰ کہ انھوں نے اپنے بیٹے کا نام بھی انہی کے نام پر ''علاؤالدین'' رکھا۔ فقہ حنفی کا کوئی عالم اور مفتی اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

[57] البقرۃ:۱۵۴

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے خود سنا بھی ہے اور حضرت نے اس کو بڑی وضاحت سے لکھا بھی ہے[58] کہ اللہ تعالی اس آیت میں فرما رہے ہیں کہ جو اللہ تعالی کے راستے میں قتل کر دیا گیا اس کو مردہ مت کہو۔ ''لاتقولوا'' نہی کا صیغہ ہے اور نہی حرمت کے لیے ہے۔ ''لاتقولوا'' یہ قول ہے جس کا مقولہ جملہ ہوتا ہے۔ اب ''اموات'' جملہ تو نہیں بلکہ اصل میں یہ تھا ''ھم اموات یعنی ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ ھم اموات'' تو یہ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان کو یہ نہیں کہہ سکتے جو اللہ کے راستے میں شہید ہو جائیں کہ یہ دوامی شکل پر مردہ ہیں اور پھر فرمایا ''بل احیاء'' یہ اصل میں ''بل قولوا ھم احیاء'' ہے یعنی بلکہ جس طرح ان کو مردہ کہنا جرم ہے اسی طرح ان کو زندہ کہنا واجب ہے۔ اس طرح شہداء کی حیات بالکل عبارۃ النص سے ثابت ہو گئی۔ اب دلالۃ النص کے ذریعے بات کو آگے بڑھائیں کہ جن کا درجہ شہداء سے بھی زیادہ ہے، ان کا کیا حال ہو گا؟

تفسیر القرآن بالقرآن

اگر قرآن پاک کی تفسیر قرآن ہی سے ہو جائے تو یہ تفسیر کا پہلا درجہ ہے۔ اس پر یاد آیا کہ ایک صاحب اجتماع میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے کہ آؤ میں تمھیں قرآن پاک کی تفسیر سناؤں گا، اور وہ تفسیر القرآن بالقرآن ہو گی۔ اس نے قرآن پاک کی تفسیر اس طرح کی: بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمدللہ رب العالمین یعنی الحمدللہ رب العالمین، اس طرح ساری سورت پڑھ دی اور پھر کہا دیکھو یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔

---

[58] مقالاتِ سیرت از مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، چوتھا مقالہ ''حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم''، ۱۲۷، ادارہ اشرف التحقیق، لاہور

تو قرآن پاک کی اول درجہ کی تفسیر تو وہ ہے جو قرآن پاک سے ہو۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں : اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ [59]، ''منعم علیھم''کون ہیں؟ دوسری جگہ فرمایا : وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيۡنَ ۔ [60]

ترجمہ : اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء ۔ (بیان القرآن)

آیت کا شانِ نزول

اس آیت کے شانِ نزول میں علامہ واحدی نے تحریر کیا ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔[61] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا رنگ بدلا ہوا ہے اور تمہاری طبیعت بھی کمزور لگ رہی ہے ۔ کہنے لگے یا رسول اللہ اور تو کوئی معاملہ نہیں لیکن جب آپ کی محفل سن

---

[59] الفاتحہ:٦

[60] النساء:٦٩

[61] عن سعيد بن جبير قال: جاء رجل من الأنصار إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو محزون فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: يا فلان ما لي أراك محزونا؟ فقال: يا نبي الله شيء فكرت فيه فقال: ما هو؟
قال: نحن نغدو عليك ونروح ننظر إلى وجهك ونجالسك وغدا ترفع مع النبيين فلا نصل إليك فلم يرد النبي صلى الله عليه وسلم شيئا فأتاه جبريل بهذه الآية ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين الآية فبعث النبي صلى الله عليه وسلم فبشره.(تفسير ابن كثير،تحت الآية المذكورة،٣١١/٢،دارالكتب العلمية،بيروت،١٤١٩ھ)

کے جاتا ہوں تو پھر میں آپ مشتاق ہو جاتا ہوں۔ دل میں یہ آتا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔ اور یہ بھی سوچتا ہوں کہ مرنے کے بعد اگر جنت میں چلا گیا تو آپ کا مقام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہو گا، پھر آپ کی زیارت کیسے ہوگی؟ اور اگر زیارت نہ ہوگی تو جنت میں جانے کا کیا فائدہ؟ کتنی گہری سوچ ہے، تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو جواب دیا کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام لانے کے بعد جتنی خوشی اس آیت کے نازل ہونے پر ہوئی، کسی چیز سے نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ اس میں یہ بشارت دی جا رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ان کو جنت میں بھی نصیب ہوگی۔

حقیقت میں یہی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین واقعۃً اعلی درجے کے عاشقِ رسول تھے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے تو دعا کی کہ یا اللہ مجھ سے نظر چھین لیجیے۔ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نہیں دیکھنا چاہتا۔ ؎

چھین لے مجھ سے نظر اے جلوہ جوش روئے دوست

میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

حیاتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام

اس آیت میں جو درجات بیان کیے گئے ہیں،ان میں پہلا درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے،دوسرا صدیقین کا ، تیسرا شہداء کا اور شہداء کے بارے میں فرمایا کہ وہ زندہ ہیں اور زندہ صرف روح کو نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ روح تو سب کی زندہ ہے ۔ یہ حیاتِ جسمانی ہوگی اور روح کے تعلق سے ہوگی۔ تو جب وہ زندہ ہیں تو ان سے بھی اعلی درجہ پر انبیاء ہیں اور وہ بھی یقینا زندہ ہوں گے اور جناب سرورِدوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جو سب کے سردار ہیں وہ تو یقینا حیّ اور زندہ ہوں گے[62]۔اور چوتھا درجہ صالحین یعنی اللہ کے نیک بندوں کا ہے ۔

---

[62] عن انس رضی اللہ عنہا قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الأنبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون" ۔(مسندابی یعلی الموصلی ، ثابت البنانی عن انس ، ۱۴۷/۶، دارالمامون للتراث ، دمشق ، ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ تعالی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :"رجال أبي یعلی ثقات"یعنی ابو یعلی کی سند کے سب راوی ثقہ(قابلِ وثوق) ہیں ۔(مجمع الزوائد للھیثمی ، باب ذکرالأنبیاء صلی اللہ علیھم وسلم ، ۳۸۶/۸ ، رقم الحدیث: ۱۳۸۱۲، دارالفکر، بیروت،۱۴۱۲ھ)

حضرت علامہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : صحّ خبر "الأنبیاء أحیاء فی قبورھم" ۔(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ،باب الجمعۃ،۱۰۲۰/۳،رقم الحدیث:۱۳۶۶،دارالفکر،بیروت،۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مسلم میں فرماتے ہیں :"اس کی سند جید اور عمدہ ہے" ۔(فتح الملھم شرح صحیح مسلم، کتاب الایمان،باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،۳۲۹/۱،طبع بجنور،ھند)

علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اصولِ فقہ کی تدریس کا طریقہ

جب اصولِ فقہ پڑھائے جائیں تو تیسیر کے ساتھ اچھے انداز میں پڑھائیں جائیں، سمجھانے کے لیے ساتھ مثالیں بھی دی جائیں۔ صرف اسی کتاب میں درج مثالیں کافی نہیں بلکہ دوسری کتابوں سے بھی مراجعت کریں اور طلباء کا ذہن اور دماغ آگے بڑھائیں۔

نورالانوار میں تو بہت تفصیل ہے۔ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ تو ایسا طویل کلام فرماتے ہیں کہ حد نہیں اور توضیح و تلویح کا معاملہ تو آپ کے سامنے ہے۔ اسی لیے علامہ گازرونی نے فرمایا تھا کہ :

"ینبغی أن یسمّی جرحا لا شرحا"

اس کو جرح کہنا چاہیے شرح نہیں کہنا چاہیے، تو وہ کتاب پڑھ کر بھی طلباء کو کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔

اختتامی کلمات

عندنا وعند مشایخنا حضرة الرسالة صلی اللّه علیه وسلم حیّ فی قبره الشریف وحیاته صلی اللہ علیه وسلم دنیویة من غیر تکلیف۔۔۔ فثبت بھذا أن حیاته دنیویة برزخیة لکونھا فی عالم البرزخ۔(المھندعلی المفند،السوال الخامس،۳۸،اداره اسلامیات،لاھور،۱۹۸۴ء)

یہ چند باتیں اور پریشان خیالات وقت کو پورا کرنے اور حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پیش کر دیے ہیں۔ جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اللہ تعالی ان کو معاف فرمائے، جو کوئی مفید بات ہے اس کو اللہ تعالی میرے لیے اور آپ کے لیے نافع فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

ملفوظ فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس اللہ تعالیٰ سرہ، فرمایا:

''حضرت تھانوی کے مواعظ وملفوظات کا روز مطالعہ کیا کرو، ان شاء اللہ مواعظ وملفوظات کی بھی وہی تاثیر محسوس کروگے جو حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی صحبت کی تاثیر تھی۔'' (حیاتِ ترمذی: ۵۱۶)